بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

اور ہم نے آپ کی طرف یہ نصیحت اتاری تاکہ آپ لوگوں کے لیے کھول کر بیان کردیں جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے۔ (النحل: 44)

تفسیر القرآن الکریم

حافظ عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ

جلد اوّل

سُورۃ الفاتحۃ تا سُورۃ التوبۃ

Dar-ul-Andlus

بسم اللہ الرحمن الرحیم

1 استفادہ میں مزید آسانی کی خاطر اس کتاب میں الیکٹرانک فہرست کا اضافہ کیا گیا ہے

2 فہرست میں کسی قسم کا سہو ہو تو ہمیں ضرور اطلاع فرمائیں

3 اپنی مفید آرا و تجاویز سے ضرور نوازیں

4 مزید الیکٹرانک کتب کے لیے : ziaulhaqnaeem@gmail.com https://archive.org/details/@zia_ul_haq_naeem

استعمال کا طریقہ

For Android users:

Play store سے Adobe Acrobat Reader انسٹال کریں۔

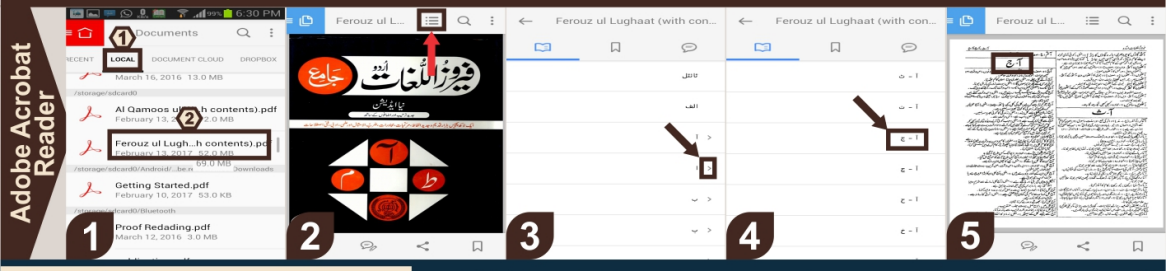

For iphone users:

1 ibooks استعمال کریں، یا 2 App store سے Adobe Acrobat Reader انسٹال کریں۔

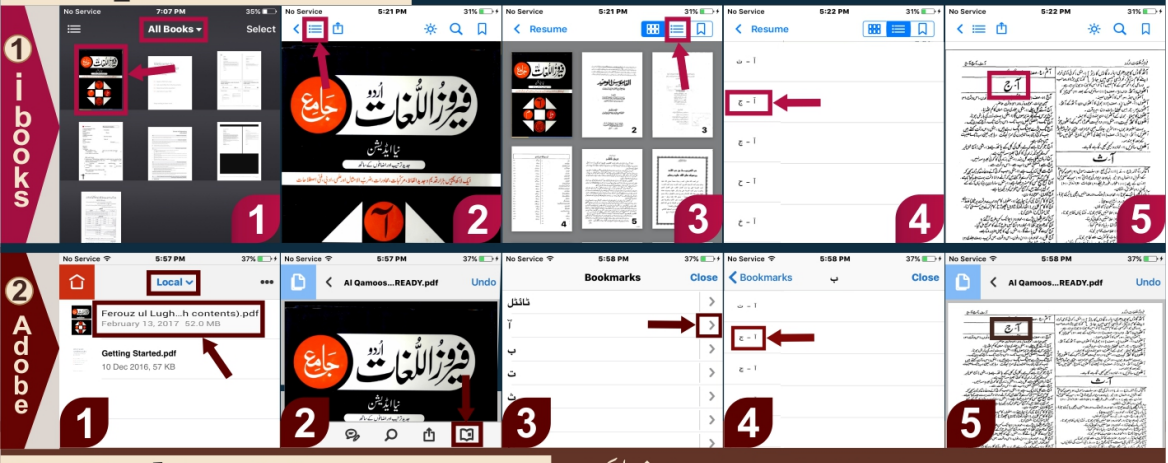

For Desktop & Laptop users:

www.adobe.com سے Adobe Acrobat Reader انسٹال کریں۔

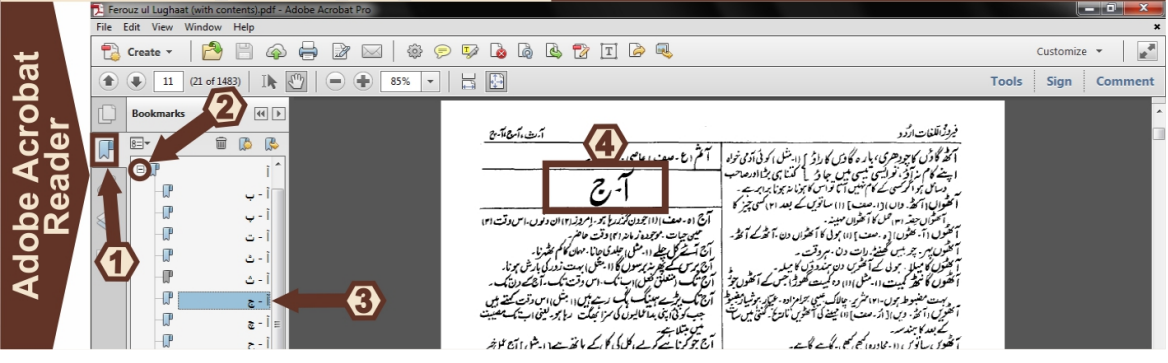

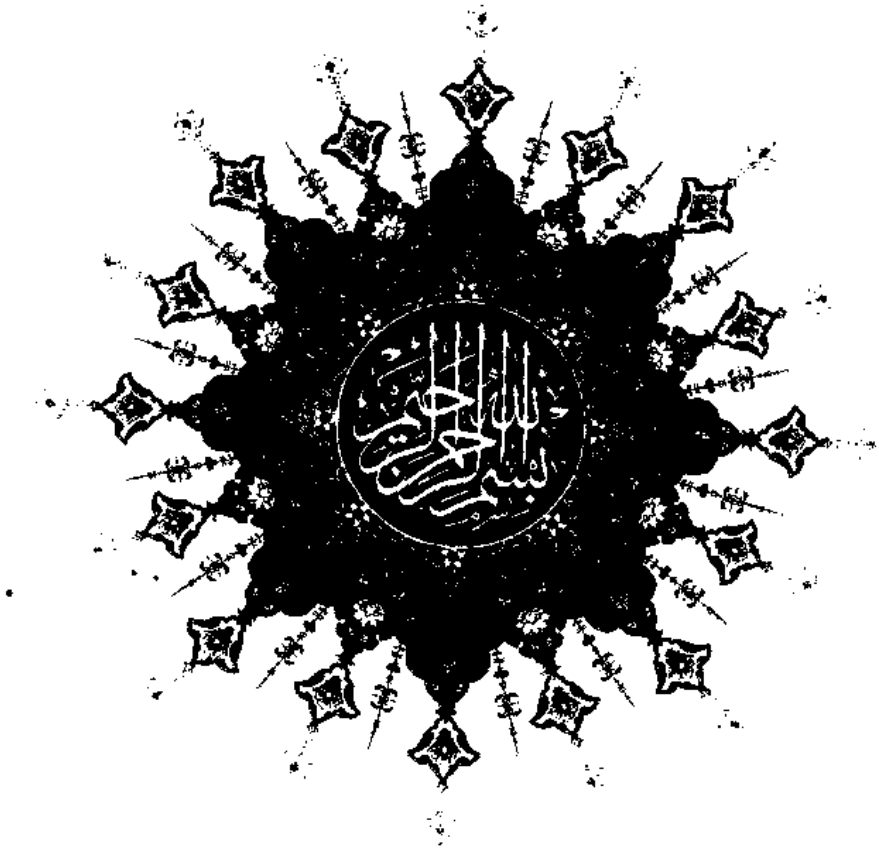
بسم الله الرحمن الرحيم

جملہ حقوق
بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب

تفسیر القرآن الکریم

جلد اوّل

سُورۃ الفاتحۃ تا سُورۃ التوبۃ

تفسیر

فضیلۃ الاستاذ حافظ عبد السلام بن محمد حفظہ اللہ

Dar-ul-Andlus

ناشر

دار الاندلس

6-غزنی سٹریٹ نزد رحمٰن مارکیٹ اردو بازار لاہور
+92-42-37242314

4-لیک روڈ چوبرجی لاہور
92-42-37230549+

ہیڈ آفس
Ph: +92-42-37150891
Fax: +92-42-37150889

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

اور ہم نے آپ کی طرف یہ نصیحت اتاری تا کہ آپ لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دیں جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے۔ (النحل: 44)

تفسیر القرآن الکریم

فضیلۃ الاستاذ حافظ عبد السلام بن محمد حفظہ اللہ

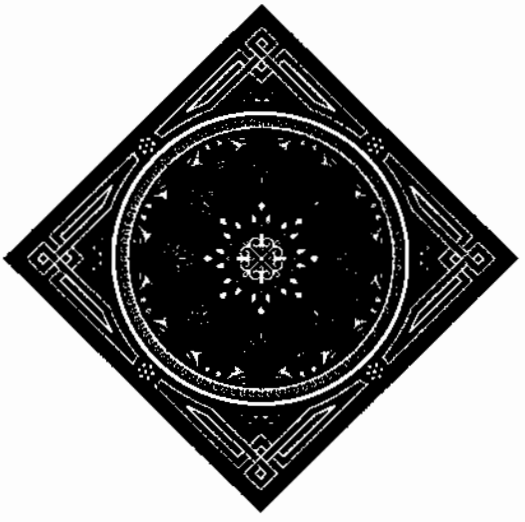

جلد اوّل

سُورۃ الفاتحۃ تا سُورۃ التوبۃ

دار الاندلس

4- لیک روڈ چوبرجی لاہور | 6- غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ اردو بازار لاہور

042-37230549 | +92-42-37242314

Head Off: +92-42-37150891 Fax: +92-42-37150889

تفسیر القرآن الکریم

فہرست

1	عرض ناشر	3
2	تقدیم	7
3	عرض مترجم	9
4	مقدمہ تفسیر	17
5	پارہ نمبر 1	27
6	سورۃ الفاتحہ	27
7	سورۃ البقرۃ	47
8	پارہ نمبر 2	121
9	پارہ نمبر 3	203
10	سورۃ آل عمران	237
11	پارہ نمبر 4	278
12	سورۃ النساء	334
13	پارہ نمبر 5	353
14	پارہ نمبر 6	428
15	سورۃ المائدۃ	444
16	پارہ نمبر 7	501

17	سورۃ الانعام	525
18	پارہ نمبر 8	574
19	سورۃ الاعراف	608
20	پارہ نمبر 9	651
21	سورۃ الانفال	721
22	پارہ نمبر 10	745
23	سورۃ التوبۃ	769
24	پارہ نمبر 11	837

عرضِ ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ، أَمَّا بَعْدُ !

قرآن مجید ایک عظیم الشان اور کامل کتاب ہے جو ہر شک وشبہ سے بالا اور ہر نقص سے پاک ہے۔ یہ الہامی کتاب رشد و ہدایت کا منبع، خیر و برکت سے لبریز اور حکمت و دانائی کا خزانہ ہے، جسے انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی، کفر وشرک کی تاریکیوں اور گمراہیوں سے نکال کر نورِ توحید سے سینوں کو منور کرنے والی، اپنے ماننے والوں کو کامیابی اور سرفرازی کی خوش خبری سنانے والی اور اعراض برتنے والوں کو زوال اور پستی سے خبردار کرنے والی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَ يَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ » [مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل من يقوم بالقرآن و يعلمه .....: ٨١٧]

''یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے کئی قوموں کو بلند کرتا ہے اور اس سے (روگردانی کرنے والی) اقوام کو پست کرتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں نزولِ قرآن کے ساتھ ہی اس کی تعلیم اور تفہیم کی ابتدا ہو گئی تھی اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ قرآن مجید کی سب سے زیادہ صحیح ترین تفسیر اور قابل اعتماد تشریح وہ ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان کی ہے، جسے تفسیر القرآن بالقرآن کہتے ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں یہ اسلوب موجود ہے کہ کسی مسئلہ کو ایک جگہ اختصار کے ساتھ اور دوسری جگہ اسی مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور جسے خود صاحبِ قرآن نے بیان کیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ تفسیر ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد قرآن کی تعلیم وتبیین ہی تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے ان کے سامنے تلاوت قرآن فرماتے تھے اور اللہ کے حکم کے مطابق اس کے معانی ومطالب اور تشریح وتفسیر بھی بیان کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ [النحل : ٤٤]

''اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری، تاکہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دے جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔''

قرآن جن لوگوں کے درمیان نازل ہوا ان کی زبان عربی تھی۔ اہل زبان ہونے کے ناتے وہ عربی زبان کی باریکیوں اور لطافتوں سے خوب واقف تھے اور وہ فصاحت و بلاغت میں عبور، زبان دانی میں کمال اور شعر وادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے،

ان جملہ صفات وکمالات کے باوجود انھیں متعدد مقامات پر قرآن فہمی میں دقت اور مشکل پیش آتی تھی، جس کے حل کے لیے وہ آپ ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ [الأنعام: ٨٢] ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔'' تو اصحابِ رسول پر یہ آیت بہت شاق گزری، انھوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا؟'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بات اس طرح نہیں جیسے تم سمجھ رہے ہو، بلکہ اس سے مراد وہ ہے جس کا ذکر لقمان (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے سے کیا تھا: ﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ [لقمان : ١٨] ''اے میرے چھوٹے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، بے شک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے (یعنی یہاں ظلم سے مراد شرک ہے)۔'' [مسلم، الإیمان، باب صدق الإیمان و إخلاصه : ١٢٤۔ بخاری : ٤٦٢٩]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل زبان ہونے اور اعلیٰ ادبی ذوق رکھنے کے باوجود لفظ ''ظلم'' کے معنی ومفہوم کا تعین نہ کر سکے تو انھوں نے آپ ﷺ سے رجوع کیا تو آپ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ یہاں ظلم کا معنی عام ظلم نہیں بلکہ اس سے مراد شرک ہے۔ تو اس سے پتا چلا کہ قرآن فہمی کے لیے صرف اہل زبان ہونا یا عربی زبان کا جاننا ہی کافی نہیں، بلکہ آپ ﷺ کے بیان کردہ معانی اور تفسیر سے راہنمائی لینا بھی ضروری ہے، جس کا بیش قیمت ذخیرہ کتب احادیث اور سیرت طیبہ میں محفوظ ہے۔

آپ ﷺ صرف قرآن پڑھ کر سنانے والے ہی نہ تھے، بلکہ آپ ﷺ منصب نبوت کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے شارح ومفسر بھی تھے، اس لیے قرآن کے اجمال کی جو توضیح رسول اللہ ﷺ نے کی ہے وہ صحابہ کرام اور پوری امت کے لیے دلیلِ قطعی اور حجتِ بالغہ کی حیثیت رکھتی ہے اور شرعی امور میں بطورِ دلیل پیش کرنے اور تمام مسائل کے اثبات کے لیے نصِ صریح شمار ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہمیشہ ان دو چیزوں (قرآن وحدیث) کو فہم قرآن کا اصل ماخذ سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

« أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ » [مسند أحمد : ٤/١٣١، ح : ١٧١٧٩۔ أبو داؤد : ٤٦٠٤]

''(لوگو) سن لو! بے شک مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی۔''

قرآن مجید اور حدیثِ رسول کے درمیان فرق کرنے والوں کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم میں سے کسی شخص کو اپنی مسند پر ٹیک لگائے اس حالت میں نہ دیکھوں کہ اس کے پاس میرے احکام میں سے کوئی حکم آئے کہ جس میں کسی کام کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو یا کسی کام سے روکا گیا ہو تو وہ کہے گا کہ ہم اسے نہیں جانتے، ہم تو جو حکم قرآن میں پائیں گے صرف اس کی پیروی کریں گے۔'' [أبو داؤد، السنة، باب فی لزوم السنة : ٤٦٠٥]

آپ ﷺ کے اقوال واعمال سے راہنمائی لینے اور اس کی طرف رجوع کرنے کا صریح حکم اس آیت میں بھی موجود ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ [الحشر : ٧] ''اور رسول تمھیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ۔''

اس کے علاوہ قرآن مجید کی بہت سی دیگر آیات بھی اس معنی ومفہوم پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کی تفسیر کے لیے آپ ﷺ کے بیان کردہ معانی سب سے زیادہ معتبر اور قابل اعتماد ہیں۔ اسی لیے ائمہ سلف نے فہم قرآن کے لیے قرآن وحدیث ہی کو اصل بنیاد قرار دیا ہے۔ لیکن قرآن کریم کی اس وضاحت کے باوجود بعض قدیم اور جدید مفسرین نے حدیث اور سنت نبوی کو نا صرف دلیل قطعی اور حجت شرعی تسلیم کرنے میں پس و پیش سے کام لیا ہے بلکہ تفسیر قرآن کے اصل اور معتبر ترین ماخذ احادیث صحیحہ کو ظنی ماخذ قرار دیا ہے اور اس اصل الاصول کے بجائے لغت عرب، معقولات، درایت، کلام شعرائے عرب، قدیم مخطوطات، اسرائیلیات، اقوالِ رجال، فتاویٰ ائمہ اور آرائے فقہاء کو احادیث صحیحہ اور سنت متواترہ کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتماد سمجھا ہے اور انھیں بنیاد بنا کر قرآن کے الفاظ کے مطالب کا تعین اور مفاہیم کی تعبیر کرنے کی کوشش کی ہے، جس سے عام لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے ہیں اور بہت سے مسلمان اور غیر مسلم بالخصوص مستشرقین کو قرآنی تعلیمات اور شرعی احکامات پر تنقید اور اعتراضات کرنے کا موقع ملا ہے اور ان کے پیدا کردہ اشکالات اور غلط فہمیوں کی وجہ سے بہت سے لوگ قرآنی تعلیمات اور پیغامِ رسالت سے مستفید ہونے سے محروم ہو گئے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ان گمراہ کن خیالات اور فکری کج روی کے بعد اب یہ سوچ پختہ ہوتی جا رہی ہے کہ قرآن کی اصل تعبیر اور صحیح تفسیر صرف قرآن اور حدیث ہی سے ممکن ہے۔ چنانچہ موجودہ ترقی یافتہ دور اور عصری فکر وشعور کا بھی تقاضا ہے کہ قرآن مجید کی مستند اور معیاری تفاسیر کو قرآن فہمی کے لیے عام کیا جائے اور قرآن اور قارئین کے درمیان حائل ہونے والے ان باطل نظریات، وضعی قاعدوں اور خود ساختہ اصولوں کے پردوں کو چاک کر دیا جائے، جو علوم وفنون اور معقولات ودرایت کے نام سے روحِ قرآن اور حکمت ربانی کو سمجھنے میں بہت بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، تاکہ عام مسلمان قرآنی تعلیمات سے براہِ راست استفادہ کر سکیں اور اس عظیم چشمۂ صافی سے اپنی علمی، تحقیقی اور روحانی پیاس بجھا سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے فضیلۃ الاستاذ الشیخ الحافظ عبد السلام بن محمد بھٹوی حفظہ اللہ کو اس نہج پر تفسیر لکھنے کی توفیق اور سعادت بخشی، اس تفسیر میں انھوں نے احادیث صحیحہ، آثارِ صحابہ اور منہجِ سلف کی روشنی میں تفسیر بالماثور کا عمدہ نمونہ پیش کیا ہے اور عام مفسرین کے برعکس انبیائے کرام اور سابقہ امتوں کے حالات وواقعات کی تفصیل بیان کرنے میں اسرائیلیات اور غیر مستند روایات سے مکمل اجتناب کیا ہے اور ان کے حالات وواقعات کے بیان میں ثقاہت اور حقائق کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے قرآن کے مشکل اور تفصیل طلب اہم مقامات کی بڑی عمدہ اور مفید تشریح کی ہے جو متلاشیانِ حق وصداقت کے لیے متاعِ گمشدہ ہے۔ مزید برآں بعض مقامات پر قرآن کے مشکل الفاظ کے معانی کی لغوی اور نحوی وضاحت بھی کی ہے۔ مذکورہ بالا نمایاں اور امتیازی خصوصیات کی حامل یہ تفسیر محترم حافظ صاحب کی 45 سال سے زائد عرصہ پر محیط تعلیمی خدمات، تدریسی تجربے اور دقیق مطالعہ کا خلاصہ ہے۔ اس تفسیر کی نمایاں اور قابل ذکر خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ترجمۂ قرآن بھی محترم حافظ صاحب ہی کا ہے، جو لفظی اور با محاورہ ترجمے کا حسین امتزاج ہے، جس میں انھوں نے عام فہم اسلوبِ نگارش اختیار کرتے ہوئے الفاظ کے معانی کے لیے اختصار اور جامعیت کو پیشِ نظر رکھا ہے۔

محترم حافظ صاحب ایک کامیاب مدرس اور اعلیٰ پائے کے کہنہ مشق استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ وعظ ونصیحت اور دعوت و ارشاد کے میدان میں بھی قابل ذکر خدمات رکھتے ہیں۔ ان کی تحریر میں علم ومطالعہ کی وسعت، ایک ماہر استاذ کے فنی محاسن اور واعظ فصیح اللسان کی خوبیوں کی نمایاں جھلک نظر آتی ہے، ان کا اسلوبِ بیان سادہ، رواں اور سلیس ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی مساعیٔ جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے اور اسے ہر قاریٔ تفسیر کے لیے اصلاحِ عقائد، ترغیب اعمال صالحہ، تزکیۂ نفوس اور تطہیر قلوب واذہان کا وسیلہ بنا دے۔

ادارہ ''دَارُالاَندُلُس'' کی طرف سے مذکورہ جملہ صفات کی حامل چار جلدوں پر مشتمل ''تفسیر القرآن الکریم'' خوبصورت اور دیدہ زیب ٹائٹل، نفیس طباعت، اعلیٰ اور معیاری کاغذ، دو رنگوں میں جاذبِ نظر طباعت اور خوبصورت کتابت سے آراستہ محترم قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

زیرِ نظر تفسیر کی تیاری کے طویل اور صبر آزما مراحل کی نگرانی فاضل رفیق مجلس اور ریسرچ سکالر ابوعمر محمد اشتیاق اصغر نے کی، اس تفسیر کے مندرجات میں ان کے مفید اور قابل قدر مشورے بھی شامل ہیں۔ ریسرچ سکالر ابوالوفاء حافظ سعید الرحمٰن نے بڑی محنت اور ذمہ داری کے ساتھ تخریج کا کام کیا، جلد اوّل میں حافظ رضوان عبد اللہ نے ان کی معاونت کی۔ احادیث کی اصل ماخذ کے ساتھ مراجعت کا محنت طلب کام ابو انیس حافظ ثناء اللہ خان اور ابوسعد مطیع الرحمٰن نے کیا۔ ان تمام احباب نے شب وروز بڑی توجہ اور محنت کے ساتھ مسودے کی بار بار پروف خوانی کی۔ کمپوزنگ اور تزئین صفحات کا تھکا دینے والا کام ابوخزیمہ محمد شفیق نے کیا اور ابوحمزہ حافظ آصف رشید نے اس کام میں ان کی معاونت کی۔ متن قرآن کی سیٹنگ ماہر تصمیم حنظلہ اقبال نے کی اور تفسیری آیات نکالنے کا کام ظہیر الدین بابر نے کیا اور عطاء الرحمٰن طاہر اور محمد عمر نے جزوی طور پر ان کی معاونت کی۔ خوبصورت اور جاذبِ نظر سرورق ابوحمزہ ضیاء الرحمٰن نے تیار کیا۔ ان کے علاوہ بعض بھائیوں نے پروف خوانی، تفسیری آیات نکالنے اور کمپوزنگ کا جزوی طور پر کام کیا، اللہ تعالیٰ ان سب کے کام کو قبول فرمائے۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ جس کی خاص توفیق اور بے پناہ فضل وکرم سے اس عالی شان اور قابل ذکر تفسیر کی تکمیل ہوئی اور ''دَارُالاَندُلُس'' کی ٹیم اور تمام رفقاء مجلس التحقیق کا بھی تہ دل سے ممنون ہوں، جن کی باہمی مشاورت ومعاونت اور شب وروز کی محنت کا عمدہ اور نفیس ثمر علم وحکمت کے موتیوں کا خزینہ بن کر تفسیر کے اوراق پر بکھرا ہوا دادِ تحسین حاصل کرنے کے لیے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو دنیا وآخرت میں خیر کثیر سے نوازے اور محترم حافظ صاحب کے لیے اسے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین !!

محتاجِ دعا

جاوید الحسن صدیقی

مدیر دَارُالاَندُلُس

یکم رمضان 1435ھ، بمطابق 30 جون 2014ء

تقدیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی أَشْرَفِ الْأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ، أَمَّا بَعْدُ !

حافظ عبدالسلام بن محمد ﷾ نے بحمد اللہ تعالیٰ پہلے قرآن حکیم کا عام فہم ترجمہ کیا اور اب تفسیر قرآن کا کام مکمل کر رہے ہیں۔ ترجمۃ القرآن میں حافظ صاحب نے جہاں سادگی، آسانی اور تسلسل کو مدنظر رکھا ہے وہاں قرآن کے نبر و تنغیم اور اعراب کا بھی لحاظ رکھا ہے، ترجمہ معتبر اور مستند ہے۔ کثیر تعداد میں لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اللہ مزید برکتوں سے نوازے۔ تفسیر القرآن میں بھی حافظ صاحب کا انداز سادہ اور عام فہم ہے۔ ایک طرف اس تفسیر کو تفسیر بالماثور کا شاندار نمونہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کی آیات کی تفسیر احادیث اور آثار صحابہ سے کی گئی ہے اور دوسری طرف یہ خوبی بھی پائی جاتی ہے کہ کوئی پختہ عالم دین ہو یا عام پڑھا لکھا یا کم پڑھا لکھا، سب اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

حافظ صاحب تدریس کا طویل تجربہ رکھتے ہیں اور تقریباً اتنے ہی عرصہ سے خطیب بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں گہرا علمی شعور عطا کیا ہے اور نصوص کا وسیع مطالعہ بھی ہے۔ مسائل کے استنباط میں سلف کا منہج پیشِ نظر رہتا ہے اور ہر شخص سے اس کی سطح پر جا کر بات کرتے ہیں اور اس کی ذہنی الجھن کو دور کرتے ہیں، اکثر سوال پوچھنے والے مطمئن ہوتے ہیں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب کو داعی، مدرس، فقیہ اور خطیب کی خوبیاں عطا کی ہیں۔ پھر طبیعت میں ظرافت بھی ہے اور عاجزی بھی۔ بچے بھی دل کی بات حافظ صاحب سے کہہ لیتے ہیں اور بڑے تو ہر راز کھول دیتے ہیں اور پورا اعتماد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب کو ایسی جماعت کی نعمت بھی عطا کی ہے جو دعوت و جہاد کے کاموں میں ہمہ تن مصروف ہے۔ قدم قدم پر مسائل پیش آتے ہیں تو اکثر ان مسائل کے حل کے لیے حافظ صاحب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اجتماعی مسائل، جماعتی کیفیات اور حالات انسان کی بہت تربیت کرتے ہیں اور پھر اس زبان اور قلم سے جو جملہ بھی نکلتا ہے اس میں گہرائی، پختگی اور فقہ الواقع کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ خاص طور پر جب شخصیت کے فکر پر قرآن و حدیث اور منہج سلف حاوی ہو اور عمل میں اللہ کا تقویٰ ہو۔ حافظ صاحب کی تفسیر میں بحمد اللہ تعالیٰ ان کے علم، تجربہ اور شخصیت کا اثر موجود ہے، اللہ قبول فرمائے۔ آمین !

غالباً 1988ء کی بات ہے میں نے ایک ماہانہ رسالے میں حافظ عبدالسلام صاحب کا لکھا ہوا تفسیر کے موضوع پر ایک کالم پڑھا، بہت پسند آیا، پڑھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میرے ذہن میں پیدا ہونے والے بہت سے سوالات کا جواب مجھے قرآن سے مل رہا ہے۔ پھر حافظ صاحب سے رابطے بڑھتے گئے اور جماعتی امور میں لمبا عرصہ اکٹھے کام کرنے کا اللہ نے

موقع دیا۔ ہمیشہ سے خواہش رہی کہ حافظ صاحب کو تفسیر کے کام کے لیے آمادہ کیا جائے، گاہے گاہے بات بھی ہوتی رہی۔ مجالس میں بھی یہ موضوع زیر بحث آتا رہا۔ بالآخر جماعت کی ایک بڑی مجلس میں فیصلہ ہوا اور حافظ صاحب نے ذمہ داری قبول کر لی۔ کام شروع کیا تو ایک آزمائش آ گئی، حافظ صاحب کی طبیعت کافی علیل ہوگئی۔ ہم نے اللہ سے بار بار دعا کی کہ اللہ صحت و عافیت سے نوازے تاکہ حافظ صاحب تفسیر کا کام مکمل کریں۔ الحمد للہ دعائیں قبول ہوئیں، اللہ نے صحت دی۔ حافظ صاحب مسلسل محنت کے ساتھ تفسیر پر کام کر رہے ہیں۔ اللہ پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے اور عام لوگوں کے لیے مفید بنائے۔ (آمین)

محمد سعید

(امیر جماعۃ الدعوۃ پاکستان)

یکم رمضان ۱۴۳۲ھ

عرضِ مترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ !

قرآن مجید کے تراجم مختلف زبانوں میں ہزاروں کی تعداد میں لکھے جا چکے ہیں اور لکھے جا رہے ہیں، اردو زبان کو بھی یہ سعادت سیکڑوں تراجم کی صورت میں حاصل ہے۔ ہر مترجم نے اس کے لیے اپنی بہترین کوشش کی ہے اور چند گمراہ لوگوں کو چھوڑ کر ہر ترجمہ کسی نہ کسی خصوصیت اور خوبی کا حامل ہے۔ اتنے تراجم کی موجودگی میں ایک نئے ترجمے کی بظاہر کوئی ضرورت نظر نہیں آتی، مگر میں نے جو تراجم میسر ہو سکے بغور پڑھنے کے بعد محسوس کیا کہ نئے ترجمے کی اب بھی ضرورت ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔ برصغیر میں قرآن مجید کے ترجمے کا جو شرف شاہ ولی اللہ اور ان کے نامور بیٹوں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ کے حصے میں آیا وہ کسی سے مخفی نہیں، بعد میں آنے والے سب لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا اور اب بھی کوئی ترجمہ کرنے والا ان سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا ترجمہ فارسی میں ہے اور نہایت واضح اور مفید ہے۔ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا ترجمہ بامحاورہ اردو میں اور شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ کا ترجمہ لفظی ہے اور دونوں بہترین ترجمے ہیں۔ ان کے بعد اکثر حضرات کے تراجم بامحاورہ اور چند ایک کے لفظی ہیں، مگر ان تمام تراجم کے باوجود کام کی گنجائش باقی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں آنے والا کوئی لفظ بلکہ کوئی حرف بے مقصد نہیں ہو سکتا، مگر اکثر تراجم میں کئی الفاظ کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے، الفاظ میں حروف کی کمی بیشی کو ترجمے کے وقت ملحوظ نہیں رکھا گیا، الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے معنی میں جو تاکید یا حصر پیدا ہوتا ہے اس کا خیال نہیں کیا گیا اور بعض تراجم میں ایک جگہ ان میں سے کسی چیز کا لحاظ رکھا گیا ہے تو دوسری جگہ اس کا خیال نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ بعض تراجم میں قرآن کے الفاظ سے زائد الفاظ ترجمے میں داخل کر دیے گئے ہیں، جنھیں تشریح کہا جا سکتا ہے، کلام اللہ کا ترجمہ نہیں۔

اس لیے ایسے ترجمے کی ضرورت باقی ہے جس میں قرآن مجید کے کسی لفظ کا ترجمہ چھوڑا نہ گیا ہو اور اس سے زائد ترجمہ میں داخل نہ کیا گیا ہو۔ میں نے اپنی طاقت کے مطابق یہ کام کیا ہے، مگر مجھے اعتراف ہے کہ میں حق ادا نہیں کر سکا اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص بھی یہ حق ادا نہیں کر سکتا، کیونکہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ سو فیصد ممکن نہیں، خصوصاً عربی زبان جو نہایت جامع زبان ہے، جس کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہیں، اس کے الفاظ کا تمام مطالب ادا کرنے والا اردو میں متبادل لانا ممکن نہیں، پھر اللہ کا کلام، جس کے ہر حرف میں معانی کا ایک جہان موجود ہے، جس کی ایک چھوٹی سی سورت کی مثل پوری مخلوق مل کر بھی نہیں بنا سکتی، اس کا ایسا ترجمہ جس میں تمام معانی و مطالب اور فصاحت و بلاغت کے تمام نکات آ سکیں، کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر بھی ہم وسعت کے مطابق مکلّف ہیں اور امید ہے میرے ترجمے سے کام کرنے والوں کو راستہ ملے گا اور

نوٹ: قارئین سے گزارش ہے کہ ترجمہ پڑھنے سے پہلے عرضِ مترجم اچھی طرح پڑھ لیں، تاکہ اس ترجمہ سے صحیح فائدہ اٹھایا جا سکے۔

وہ مزید بہتر کی کوشش کرسکیں گے۔ میں نے لفظی ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ حتی الامکان آیت کے ہر لفظ کا ترجمہ آجائے اور اسے اردو محاورے کے مطابق بنانے کی کوشش بھی کی ہے۔ ترجمہ میں جن باتوں کا خیال رکھا گیا ہے وہ سب اس مختصر تحریر میں نہیں آسکتیں، ہاں دوسرے تراجم ساتھ رکھ کر پڑھنے سے ان کا اندازہ ہوسکتا ہے، ان میں سے بطور مثال چند ایک یہ ہیں:۔

① صیغۂ مبالغہ کا ترجمہ:

عربی زبان کے کچھ اوزان معنی میں مبالغہ کے لیے وضع کیے گئے ہیں، مثلاً ''قادر'' اور ''قدیر''، ''عالم'' اور ''علیم'' کے معنی میں فرق ہے، مگر اکثر تراجم میں ''قدیر'' کا معنی قادر، یا قدرت رکھنے والا اور ''علیم'' کا معنی جاننے والا، یا واقف کیا گیا ہے، جب کہ ''قدیر'' کا معنی پوری طرح قادر، یا خوب قدرت رکھنے والا اور ''علیم'' کا معنی خوب جاننے والا، یا پوری طرح واقف ہونا چاہیے۔ بعض حضرات نے کچھ الفاظ کے ترجمے میں اس کا خیال رکھا ہے کچھ میں نہیں رکھا، بعض نے ایک لفظ کے ترجمہ میں ایک جگہ یہ بات ملحوظ رکھی ہے اور دوسرے مقامات پر ملحوظ نہیں رکھی۔ میں نے ''رحمان، رحیم، علیم، حکیم، عزیز، عفوّ، غفور، توّاب'' اور دوسرے تمام الفاظ میں، جہاں بھی وہ آئے ہیں، اس بات کا خیال رکھا ہے۔

② حروف تاکید:

عربی زبان میں تاکید کے لیے بہت سے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، مثلاً حروف قسم، انّ، لام تاکید، نون تاکید وغیرہ، بعض اوقات ایک ہی جملہ میں تاکید کے لیے کئی حروف لائے جاتے ہیں، اردو محاورہ میں عموماً ایسا نہیں ہوتا، اس لیے بعض مترجمین نے تو اردو محاورے کو مقدم رکھتے ہوئے تاکید کے حروف کا ترجمہ ہی نہیں کیا، یا ایک حرف کا ترجمہ کر کے باقی کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ یٰس میں ﴿ اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴾ اور ﴿ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴾ کا ایک ہی ترجمہ کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے دوسری آیت میں ''لام'' محض بے فائدہ ٹھہرتا ہے، جب کہ ایسا خیال کرنا بھی درست نہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ تاکید کے کسی حرف کا مفہوم ترجمے میں آنے سے رہ نہ جائے۔ شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ ''لام'' کا ترجمہ ''البتہ'' اور ''انّ'' کا ترجمہ ''تحقیق'' سے کرتے ہیں، مگر یہ دونوں لفظ موجودہ دور میں اردو میں عام مستعمل نہیں، اس لیے میں نے تاکید کے عام مستعمل الفاظ میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ''لام تاکید، نون تاکید ثقیلہ وخفیفہ، انّ اور قد'' کے لیے ''ضرور، بے شک، یقیناً، بلاشبہ، کوئی شک نہیں، ہر صورت، حقیقت یہ ہے، واقعہ یہ ہے، لازماً، فی الواقع، واقعی'' وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں اور بعض اوقات لفظ ''تو'' استعمال کیا ہے، مثلاً یوسف علیہ السلام کے قول ﴿ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴾ کا ترجمہ ''یقیناً ہم تو اس وقت ظالم ہوں گے۔'' تاکید کے لیے ''تو'' کا استعمال میں نے بڑے بڑے جلیل القدر علماء کے تراجم سے سیکھا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ تاکید کے تمام الفاظ کا ترجمہ کرنا اور پھر محاورے اور کلام کی روانی بھی ملحوظ رکھنا کتنا مشکل کام ہے، مگر ان شاء اللہ تاکید کے زیادہ سے زیادہ الفاظ کے مفہوم کی ادائیگی کے ساتھ محاورے کی حتی الوسع کوشش سے قارئین محظوظ ہوں گے اور محسوس کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے بات کس قدر تاکید کے ساتھ فرمائی ہے۔ اگرچہ تاکید کے ہر لفظ کا ترجمہ پھر بھی نہیں ہوسکا اور حقیقت یہ ہے کہ ہو بھی نہیں سکتا۔

③ تنوین:

عربی میں تنوین بہت سے معانی کے لیے استعمال ہوتی ہے، مثلاً تنکیر، تعظیم، تحقیر وغیرہ، میں نے کوشش کی ہے کہ ہر

تنوین کا موقع کے مناسب ترجمہ آجائے، مثلاً ﴿ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ [البقرة : ١٠] ''ان کے دلوں ہی میں ایک بیماری ہے۔'' ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ [التوبة : ٢٨] ''اور اگر تم کسی قسم کے فقر سے ڈرتے ہو تو اللہ جلد ہی تمھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔'' ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾ [الطور : ٢١] ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد کسی بھی درجے کے ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے۔''

قارئین ہر تنوین پر ٹھہر کر ترجمے پر غور فرمائیں گے تو ان پر ہر مقام میں میری محنت واضح ہو جائے گی۔ تنوین کا مفہوم بھی میں نے اپنے پاس سے نہیں بلکہ کسی نہ کسی تفسیر سے اخذ کر کے لکھا ہے۔

④ مفعول مطلق:

عربی زبان میں تاکید کے لیے فعل کے بعد مصدر لایا جاتا ہے، عام طور پر اس کا ترجمہ محاورہ کی مشکل کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے، میں نے اس کا ترجمہ بھی کیا ہے اور ہر مقام پر مصدر کی تنوین کے مفہوم کو مدنظر رکھا ہے، مثلاً ﴿ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴾ [بنی إسرائيل : ١٢] ''اور ہر چیز، ہم نے اسے کھول کر بیان کیا ہے، خوب کھول کر بیان کرنا۔'' ﴿ فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴾ [بنی إسرائيل : ١٦] ''تو اس پر بات ثابت ہو جاتی ہے، پھر ہم اسے برباد کر دیتے ہیں، بری طرح برباد کرنا۔''

⑤ "مِنْ" کا استعمال:

لفظ "مِنْ" بھی کئی معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، مثلاً ''بیان'' کے لیے، ''بعض'' کا معنی دینے کے لیے، ''تاکید'' کے لیے، ''تعلیل'' کے لیے وغیرہ، ہر مقام کے مطابق ترجمے کے لیے بہت محنت درکار ہے، مثلاً ﴿ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾ [الجمعة : ١٠] ''اور اللہ کے فضل سے (حصہ) تلاش کرو۔'' ﴿ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ﴾ [الزمر : ٢٧] ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کی ہے۔'' ﴿ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ﴾ [الحج : ٢٢] ''جب کبھی ارادہ کریں گے کہ سخت گھٹن کی وجہ سے اس سے نکلیں، اس میں لوٹا دیے جائیں گے۔'' ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴾ [الممتحنة : ١٣] ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں کو دوست مت بناؤ جن پر اللہ غصے ہو گیا، جو آخرت سے اسی طرح ناامید ہو چکے ہیں جس طرح وہ کافر ناامید ہو چکے ہیں جو قبروں والے ہیں۔''

⑥ إِذَا مَا :

عام طور پر چند الفاظ کو زائد کہہ کر ترجمہ میں ان کا خیال نہیں کیا جاتا، حالانکہ کوئی سمجھدار آدمی بھی کوئی لفظ بلا مقصد نہیں بولتا تو رب العالمین کے کلام میں کوئی لفظ بے مقصد کیسے ہو سکتا ہے۔ ان الفاظ میں سے ایک " مَا " ہے، مثلاً ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا ﴾ [الزمر : ٧١] دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا ﴾ [حٰمٓ السجدة : ٢٠] اب

دونوں کا ایک ہی ترجمہ ہوتو ''مَا'' بالکل بے فائدہ ٹھہرتا ہے۔ زمخشری نے فرمایا ﴿ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ ﴾ میں ''اِذَا'' کے بعد ''مَا'' اس کی تاکید کے لیے ہے۔ تاکید کا مطلب یہ ہے کہ آگ کے پاس پہنچے کا وقت ہی ان پر شہادت کا وقت ہوگا، یہ نہیں کہ کچھ وقت شہادت سے خالی ہے۔ تو اس لیے میں نے ''اِذَا'' کا ترجمہ ''جب'' اور ''اِذَا مَا'' کا ترجمہ ''جونہی'' کیا ہے، مثلاً ﴿ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ﴾ [یونس : ٥١] ''کیا پھر جونہی وہ (عذاب) آپڑے گا تو اس پر ایمان لے آؤ گے؟''

⑦ اِمَّا :

یہ لفظ ''اِن'' شرطیہ اور ''ما'' سے مرکب ہے، عام طور پر ''اِن'' اور ''اِمَّا'' دونوں کا ترجمہ ''اگر'' کیا جاتا ہے، مگر اس صورت میں ''ما'' بے فائدہ ٹھہرتا ہے، میں نے ترجمہ میں اس کا خیال رکھا ہے، مثلاً ﴿ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ﴾ [بنی إسرائیل : ٢٣] ''اگر کبھی تیرے پاس دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ ہی جائیں تو ان دونوں کو ''اف'' مت کہہ۔'' شوکانی رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں فرمایا: ''اِن'' شرطیہ اور ''ما'' ابہامیہ ہے۔'' تو میں نے ''اِن'' شرطیہ کے ساتھ ''ما'' کے ابہام اور نون تاکید کے مفہوم کو مدنظر رکھتے ہوئے ترجمہ کیا ہے۔ دوسری مثال ﴿ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ ﴾ [الأنفال : ٥٧] ''پس اگر کبھی تو انھیں لڑائی میں پا ہی لے۔'' ﴿ وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ ﴾ [یونس : ٤٦] ''اور اگر کبھی ہم تجھے اس کا کچھ حصہ واقعی دکھلا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں۔'' دوسرے تراجم میں اس ''مَا'' اور نون تاکید کا ترجمہ شاید ہی ملے گا۔

⑧ ''اَنْ'' زائدہ:

﴿ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا ﴾ [هود : ٧٧] اور ﴿ وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا ﴾ [العنکبوت : ٣٣] دونوں آیات کا ترجمہ ''اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس آئے'' کیا جاتا ہے، میں نے ''اَنْ'' کے مفہوم کو پیش نظر رکھ کر دوسری آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے: ''اور جیسے ہی ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس آئے۔'' ﴿ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ﴾ [یوسف : ٩٦] ''پھر جیسے ہی خوشخبری دینے والا آیا اس نے اسے اس کے چہرے پر ڈالا تو وہ پھر بینا ہو گیا۔''

⑨ ''باء'' زائدہ:

بعض اوقات نفی کے بعد ''باء'' آتی ہے جو نفی کی تاکید کے لیے ہوتی ہے، عام طور پر ترجمہ میں اس کا خیال نہیں کیا جاتا، میں نے حتی الوسع اس کا لحاظ رکھا ہے، مثلاً ﴿ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [البقرة : ٨] ''حالانکہ وہ ہرگز ایمان والے نہیں۔'' ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ [فاطر : ٢٢] ''اور تو ہرگز اسے سنانے والا نہیں جو قبروں میں ہے۔'' اس فرق کی وجہ سے ﴿ لَسْتَ مُؤْمِنًا ﴾ [النساء : ٩٤] کا معنی ''تو مومن نہیں'' اور ﴿ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [النور : ٤٧] کا معنی ہوگا ''اور یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں۔''

⑩ ''الف لام'' کا مفہوم:

''الف لام'' عربی زبان میں کئی معانی کے لیے آتا ہے، مثلاً ''تعریف، تخصیص، استغراق، جنس، عہد'' وغیرہ، مثلاً ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الفاتحة] ''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔'' ﴿فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا﴾ [المزمل:١٦] ''سو فرعون نے اس پیغام پہنچانے والے کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے پکڑ لیا، نہایت سخت پکڑنا۔'' میں نے موقع کے مناسب ہر ''الف لام'' کے مفہوم کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

⑪ حصر کا مفہوم:

خبر پر ''الف لام'' آنے سے کلام میں حصر پیدا ہو جاتا ہے، مثلاً ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ﴾ [الملك:٢] ''اور وہ سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے'' کے بجائے ''اور وہی سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے'' ہوگا۔ اکثر تراجم میں یہ خیال نہیں رکھا گیا، بعض تراجم میں ایک جگہ یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے تو دوسری جگہ اسے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

⑫ تخصیص:

کوئی اسم یا جار مجرور، جس کا محل بعد میں ہو، جب اسے پہلے لایا جائے تو اس سے تخصیص پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً ﴿قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ﴾ [الزمر:١٤] ''کہہ دے میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں۔'' ﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ [الذاريات:٢٢] ''اور آسمان ہی میں تمھارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو۔'' ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ [الملك:١] اس کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے ''بہت بابرکت ہے وہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے'' مگر اس سے ''بِيَدِهِ'' کو پہلے لانے کا اور ''الْمُلْكُ'' کے ''الف لام'' کا معنی ادا نہیں ہوتا، اس لیے اس کا ترجمہ یہ ہونا چاہیے ''بہت برکت والا ہے وہ کہ تمام بادشاہی صرف اس کے ہاتھ میں ہے۔''

⑬ الفاظ کے زائد حروف کا لحاظ:

لفظ میں بعض حروف کے اضافے سے معنی بدل جاتا ہے، مثلاً ''نَزَلَ'' کا معنی ''وہ اترا'' اور ''اَنْزَلَ'' کا معنی ''اس نے اتارا'' اور بعض اوقات طلب یا دوسرے معانی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر حرف کے اضافے کے باوجود معنی ایک ہی ہو تو معنی میں زیادتی مراد ہوتی ہے، مثلاً ﴿يَسْخَرُوْنَ﴾ [صافات:١٢] اور ﴿يَسْتَسْخِرُوْنَ﴾ [صافات:١٤] دونوں کا معنی ''مذاق اڑاتے ہیں'' کیا جائے تو ''سین'' اور ''تاء'' کا اضافہ بے فائدہ ٹھہرتا ہے، اس لیے ﴿يَسْتَسْخِرُوْنَ﴾ کا معنی ہوگا ''خوب مذاق اڑاتے ہیں۔'' اس فرق کا لحاظ بہت کم مترجمین نے رکھا ہے۔ بطور مثال چند آیات '' يَذْبَحُوْنَ'' کی بجائے ﴿يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ﴾ [البقرة:٤٩] ''تمھارے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتے تھے۔'' اور ''حَيَاءٍ'' کے بجائے ﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ﴾ [القصص:٢٥] ''تو ان دونوں میں سے ایک بہت حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی۔'' اسی طرح ﴿فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ [طٰه:٧١] ''پس یقیناً میں ہر صورت تمھارے ہاتھ اور تمھارے

پاؤں مخالف سمت سے بری طرح کاٹوں گا اور ضرور ہر صورت تمھیں کھجور کے تنوں پر بری طرح سولی دوں گا۔'' ﴿ أَيْنَمَا ثُقِفُوٓا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ﴾ [الأحزاب : ٦١] ''جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں گے، بری طرح ٹکڑے کیا جانا۔'' ﴿ فَلَمَّا ٱسْتَيْـَٔسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ﴾ [یوسف: ٨٠] ''پھر جب وہ اس سے بالکل نا امید ہوگئے تو مشورہ کرتے ہوئے الگ جا بیٹھے۔'' ﴿ أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِى مَلَكُوتِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ﴾ [الأعراف: ١٨٥] ''اور کیا انھوں نے نگاہ نہیں کی آسمانوں اور زمین کی عظیم الشان سلطنت میں۔'' ﴿ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ ٱلْـَٔايَٰتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ ٱلْمُجْرِمِينَ ﴾ [الأنعام : ٥٥] ''اور اسی طرح ہم آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ خوب واضح ہوجائے۔'' ان آیات کے خط کشیدہ الفاظ اور ان کے ترجمہ پر غور فرمائیں، ہر زائد حروف کا مفہوم ملحوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

⑭ صیغے کے مطابق ترجمہ:

قرآن مجید میں آنے والے ہر لفظ کا ترجمہ میں نے اس کے صیغے کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً فعل ماضی، فعل مضارع، اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ۔ ہاں جملہ شرطیہ ہونے یا سیاق کلام کی وجہ سے ماضی کا معنی مضارع میں یا مضارع کا معنی ماضی میں کرنا ضروری ہو تو اسے بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

⑮ آسان اردو میں ترجمہ:

ترجمہ زیادہ سے زیادہ آسان اردو میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے، فارسی یا عربی الفاظ میں ترجمہ سے مطلب ادا ہو بھی جائے تو عام آدمی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ مثلاً بعض اردو ترجمہ کرنے والوں نے ''مُرْسَلُوْنَ'' کا ترجمہ ''فرستادگان الٰہی''، ''كَذَّابٌ أَشِرٌ'' کا ترجمہ ''برخود غلط''، ''الْحَمِيْدُ'' کا ترجمہ ''ستودہ'' اور ''رَيْبَ الْمَنُوْنِ'' کا ترجمہ ''حوادث دہر'' کیا ہے، اس لیے اس سے احتراز کیا گیا ہے۔

⑯ لام امر کا ترجمہ:

عام طور پر امر غائب کا ترجمہ لفظ ''چاہیے'' سے شروع کیا جاتا ہے، مثلاً ﴿ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ ٱلْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فِيهِ ﴾ [المائدة : ٤٧] ''اور چاہیے کہ اہل انجیل اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے۔'' میں نے کوشش کی ہے کہ لفظ ''چاہیے'' کے بغیر امر کا مفہوم ادا ہو جائے، یا پھر ''چاہیے'' کے بجائے ''لازم ہے'' استعمال کیا جائے۔ چنانچہ اس آیت کا ترجمہ ہوگا ''اور لازم ہے کہ انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے۔''

⑰ ''كَانَ'' کا ترجمہ:

تقریباً تمام مترجمین نے ﴿ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ [آل عمران : ٣١] اور ﴿ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴾ [الفرقان : ٧٠] کا ایک ہی ترجمہ کیا ہے کہ ''اور اللہ غفور رحیم ہے''، اسی طرح ﴿ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾ [التوبة : ٤٠] اور ﴿ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴾ [الفتح :٧] کا اور دوسری تمام صفات کا جو ''كَانَ'' کے بغیر آئی ہیں، یا ''كَانَ'' کے ساتھ آئی ہیں، ایک ہی ترجمہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ''كَانَ'' محض بے فائدہ ٹھہرتا ہے، جب کہ ''كَانَ'' ماضی میں خبر کے ثبوت کے لیے

آتا ہے۔ اب اگر ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ کا ترجمہ ''اور اللہ غفور رحیم تھا'' کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اب وہ ایسا نہیں، حالانکہ یہ بات غلط ہے اور اگر اس کا ترجمہ ''اور اللہ غفور رحیم ہے'' کریں تو ''كَانَ'' کا کچھ مطلب نہیں رہتا۔

ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ مشکل حل فرمائی ہے، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ حم السجدۃ میں ہے کہ ایک آدمی نے ان سے چند سوالات کیے، جن میں سے ایک سوال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾، ﴿ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴾، ﴿ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴾ تو گویا وہ ماضی میں ان صفات سے موصوف تھا، پھر نہ رہا۔ تو انھوں نے جواب دیا: "سَمّٰى نَفْسَهُ ذٰلِكَ، وَ ذٰلِكَ قَوْلُهُ، اَىْ لَمْ يَزَلْ كَذٰلِكَ، فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُرِدْ شَيْئًا اِلَّا اَصَابَ بِهِ الَّذِىْ اَرَادَ" خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہ اسماء وصفات ماضی میں بھی تھے اور ہمیشہ رہے ہیں اور رہیں گے۔ گویا ''كَانَ'' یہاں دوام کے لیے ہے، جو ہمیشگی پر دلالت کر رہا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فرمان کے مطابق ان آیات کا ترجمہ یوں ہوگا: ''اور اللہ ہمیشہ سے غفور رحیم ہے'' ''عزیز حکیم ہے'' ''سمیع بصیر ہے۔'' اس طرح اردو تراجم میں ''كَانَ'' کے مفہوم کی ادائیگی میں پائی جانے والی کمی ان شاء اللہ پوری ہوگئی۔ بعض عربی مفسرین نے ''كَانَ'' کے اس مفہوم کو مختلف مقامات پر اجاگر کیا ہے، مثلاً ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ﴾ [بنی إسرائیل:٣٢] کی تفسیر میں ابوحیان نے فرمایا: ''اَلْمَعْنٰى لَمْ يَزَلْ اَىْ لَمْ يَزَلْ فَاحِشَةً'' [البحر المحیط] یعنی ''وہ ہمیشہ سے بے حیائی ہے۔''

اسی طرح ﴿ كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴾ [مریم : ٢٩] کے متعلق فرمایا: " اَىْ لَمْ يَزَلْ " [البحر المحیط] یعنی ''ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی تک گود میں بچہ ہے۔'' ﴿ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴾ [الأنبیاء : ١٠٤] بقاعی نے فرمایا: ''اَىْ اَزَلًا وَ اَبَدًا'' [نظم الدرر] ''یہ وعدہ ہمارے ذمے ہے، یقیناً ہم ہمیشہ (پورا) کرنے والے ہیں۔'' اردو تفاسیر میں ایک مفسر نے ایک مقام پر ترجمے میں یہ بات ملحوظ رکھی ہے، چنانچہ انھوں نے ﴿ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴾ [طٰہٰ:٣٥] کا ترجمہ کیا ہے ''تو ہمیشہ ہمارے حال پر نگران رہا ہے۔''

''كَانَ'' اس کے علاوہ بھی کئی معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، جن کا لحاظ تقریباً سبھی مترجمین نے رکھا ہے۔ (والحمد للہ) البتہ بعض اوقات ''كَانَ'' نسبت کی تاکید کے لیے آتا ہے، اسے اردو ترجمے میں ادا کرنا بہرحال مشکل ہے۔

⑱ نفی کے ساتھ ''كَانَ'' کا ترجمہ:

نفی والے جملے میں ''كَانَ'' کا مفہوم شاید ہی کسی مترجم نے ادا کیا ہو۔ یہ مفہوم لفظ ''کبھی'' سے ادا ہو جاتا ہے۔ (ان شاء اللہ) مثلاً ﴿ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴾ [بنی إسرائیل : ٢٠] ''اور تیرے رب کی بخشش کبھی بند کی ہوئی نہیں۔'' ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ [بنی إسرائیل : ١٥] ''اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں، یہاں تک کہ کوئی پیغام پہنچانے والا بھیجیں۔'' ''مَا كَانَ '' کے دوسرے معانی، مثلاً ''لائق نہیں، ممکن نہیں'' وغیرہ کا لحاظ تمام مترجمین نے رکھا ہے۔ [والحمد للہ]

یہ چند چیزیں مثال کے طور پر ذکر کی گئی ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے علماء ان سے بے خبر تھے، یقیناً وہ ہم سے زیادہ

عالم تھے اور انھوں نے ایک دو چیزیں چھوڑ کر ان سب باتوں کا بلکہ ان سے بھی باریک معانی کا لحاظ رکھا ہے، مگر ہر جگہ ایسا نہیں ہو سکا، یہ ایک عاجز بندے کی کوشش ہے جو ان شاء اللہ آنے والے بھی کرتے رہیں گے۔

دوران ترجمہ پچیس اردو اور فارسی تراجم میرے زیر نظر رہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ بعض مفاہیم کی تعیین کے لیے مجھے کتنی ہی عربی کتب، یعنی تفسیر، حدیث، لغت، ادب اور بلاغت کی کتابوں کی ورق گردانی کرنا پڑی۔ اللہ تعالیٰ کا بے حد وحساب شکر ہے جس نے اس کام کی توفیق بخشی اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ فَلَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الشُّكْرُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، اَللّٰهُمَّ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ.

آخر میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اس مبارک کام میں تعاون فرمایا، ان میں سب سے پہلے امیر جماعۃ الدعوۃ محترم حافظ محمد سعید ﷾ ہیں جن کے حکم سے اس کام کا آغاز ہوا اور جن کی مسلسل حوصلہ افزائی کے ساتھ یہ کام جاری رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے فضل کے بعد اگر ان کی خصوصی توجہ نہ ہوتی اور وہ مجھے اس کام کے لیے زیادہ سے زیادہ فراغت مہیا نہ کرتے تو یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچنا مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے اور ان سے زیادہ سے زیادہ اپنے دین کا کام لے۔ ان کے ساتھ محترم سیف اللہ خالد مدیر ''دارالاندلس'' ہیں، جو سرمایۂ آخرت سمجھ کر اس کی تکمیل کے لیے میرا پیچھا کرتے رہے اور جنھوں نے نہایت محبت اور ذوق وشوق کے ساتھ اسے طبع کیا۔ ان کے علاوہ وہ تمام بھائی جنھوں نے ترجمے کے متعلق کوئی مشورہ دیا، یا جن کی دعائیں میرے ہمراہ رہیں، میں سب کا شکر گزار ہوں۔

علمائے کرام میں سے محترم مولانا محمد افضل، فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، مدیر جامعۃ الدراسات الاسلامیہ کراچی اور محترم مولانا حافظ محمد عبداللہ رفیق، شیخ الحدیث دارالعلوم المحمدیہ لوکوورکشاپس لاہور نے مکمل ترجمہ پڑھا اور اس کی اصلاح کی۔ ان کے علاوہ محترم مولانا عبداللطیف، فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، مدیر المعہد العالی مرکز البدر بہاولپور نے آخری پندرہ پارے پڑھے اور ان کی اصلاح کی۔ محترم مولانا مبشر احمد ربانی، مفتی جماعۃ الدعوۃ، محترم مولانا محمد رمضان، شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ لاہور، محترم ابوسیف محمد جمیل، فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، استاد جامعۃ الدعوۃ مریدکے، محترم عبدالرحمان عابد، فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، استاذ جامعۃ الدعوۃ اور محترم سعید طیب، استاد جامعہ نے بعض اجزاء پڑھے اور مفید مشورے دیے۔ میں ان سب احباب کا شکر گزار ہوں، اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ (آمین!)

پروف ریڈنگ کا کام محترم مولانا محمد اشتیاق اصغر، حافظ سعید الرحمٰن، حافظ ثناء اللہ خاں اور ابوسعد مطیع الرحمٰن نے کیا اور حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے بڑی محنت اور محبت کے ساتھ یہ کام سرانجام دیا، انھوں نے صرف پروف ریڈنگ ہی نہیں کی بلکہ مجھے بہترین مشورے بھی دیتے رہے اور جس طرح وہ بہتر سمجھتے تھے مجھ سے اجازت لے کر اصلاح بھی کرتے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اس محنت کو قبول فرمائے اور ہم سب کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

عبدالسلام بن محمد

جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ مرکز طیبہ مریدکے

۲۵ شعبان ۱۴۲۷ھ

مقدمہ تفسیر

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِيْنُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ، أَمَّا بَعْدُ !

آج سے چند سال پہلے جماعۃ الدعوۃ کے احباب کی مجلس میں قرآن مجید کے نئے ترجمے اور تفسیر کی ضرورت پر گفتگو ہوئی۔ محترم حافظ محمد سعید امیر جماعۃ الدعوۃ نے یہ کام میرے ذمے لگایا۔ میں نے انتیسویں اور تیسویں پارے کا ترجمہ اور تفسیر لکھی تو احساس ہوا کہ تفسیر کا کام لمبا ہے، زندگی کا کچھ بھروسا نہیں، اس لیے پہلے اللہ کی توفیق سے قرآن مجید کا ترجمہ مکمل کرنا چاہیے، اس کے بعد تفسیر کا کام جتنی اللہ تعالیٰ نے فرصت دی ہوتا رہے گا۔ الحمد للہ قرآن مجید کا ترجمہ مکمل ہو کر شائع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے حُسنِ قبول سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں میری نجات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین) ترجمے سے فارغ ہونے کے بعد کچھ عرصہ بیماری کی نذر ہو گیا، اس کے بعد اللہ کا نام لے کر تفسیر کا کام شروع کیا جس کی برکت سے طبیعت بھی بہتر ہوتی گئی۔

شروع میں خیال تھا کہ مختصر حواشی لکھے جائیں جو ایک جلد میں پورے آ جائیں، اس لیے آپ دیکھیں گے کہ ابتدائی پاروں کی تفسیر مختصر ہے، مگر آہستہ آہستہ اسے قدرے تفصیل سے لکھنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی جس سے بعد کے پارے قدرے مفصل ہوتے گئے۔ قرآن کی تفسیر کا حق تو ادا ہو ہی نہیں سکتا، یہ ایک عاجز بندے کی کوشش ہے جو اپنے مالک سے قبولیت کا خواستگار اور امیدوار ہے۔ [رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ]

تفسیر کا اسلوب:

اہل علم کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ صحیح تفسیر وہ ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ اس کے کلام کا معنی و مراد کوئی نہیں جانتا اور وہ قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر بات مختصر یا مبہم ہوتی ہے اور دوسری جگہ وہی بات مفصل اور واضح ہوتی ہے۔ حافظ ابن کثیر، شیخ امین شنقیطی صاحب اضواء البیان اور علامہ قاسمی صاحب محاسن التاویل رحمہم اللہ نے قرآن کی تفسیر قرآن کے ساتھ کرنے کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ میں نے اختصار کے لیے ہر جگہ پوری آیات اور ان کا ترجمہ نقل کرنے کے بجائے سورتوں کے نام اور آیات کے نمبر دے دیے ہیں۔ صاحبِ ذوق حضرات تھوڑی سی محنت سے بہت زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

احادیث رسول ﷺ سے متعلق میں نے پوری کوشش کی ہے کہ صرف ثابت شدہ احادیث نقل کروں، اس کے لیے شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی کتب، مسند احمد اور دوسری کتب حدیث کی جدید طبعات کے محققین کی تحقیق سے راہنمائی لی ہے اور اکثر ان کی تصحیح یا تحسین کا حوالہ بھی دیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث کی صحت پر امت کا اتفاق ہے، ان کے رخ روشن کو مزید کسی غازہ کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول تفسیر کا مقام ہے، کیونکہ وہ صاحبِ زبان تھے اور انھوں نے براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے قرآن مجید سنا اور سمجھا تھا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ان کی تفسیر صحیح سند سے ثابت ہو اور اسرائیلیات سے نہ ہو۔ صحابہ جب کسی تفسیر پر متفق ہوں تو ان سے اختلاف جائز نہیں۔

تابعین کے اقوال بھی قرآن مجید سمجھنے کے لیے بہت مفید ہیں، بشرطیکہ صحیح سند کے ساتھ ان سے ثابت ہوں اور اسرائیلیات میں سے نہ ہوں۔ تفسیر طبری اور تفسیر ابن کثیر حدیث رسول ﷺ اور اقوال صحابہ و تابعین کے ساتھ تفسیر کا بہترین ذخیرہ ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے دکتور حکمت بن بشیر کی تحقیق و تخریج کے ساتھ تفسیر ابن کثیر چھپی ہے جس میں انھوں نے مرفوع احادیث کے علاوہ صحابہ اور تابعین کے اقوال کی تخریج بھی کر دی ہے اور ہر ایک کی صحت وضُعف کا حکم بھی بیان کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ تفسیر طبری اور ابن کثیر سے فائدہ اٹھانا آسان ہو گیا ہے۔ اس کے بعد مفسرین کرام کی تفاسیر قرآن فہمی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، بشرطیکہ ان میں قرآن وسنت سے گریز اختیار نہ کیا گیا ہو اور وہ لغت عرب کے مطابق ہوں۔ قرآن مجید کے صرف ونحو اور بلاغت کے نکات کے لیے شیخ المفسرین امام طبری، زمخشری، رازی، ابوحیان، بقاعی، ابن عادل، ابن عاشور، آلوسی اور قاسمی رحمہم اللہ کی تفاسیر بہت شاندار ہیں۔ ان میں سے بعض نے ربطِ آیات کے ذکر کا اہتمام بھی فرمایا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ ان کا اجتہاد ہے، سوائے اس ربط کے جو بالکل واضح ہو، کسی ربط کو یقین سے اللہ تعالیٰ کی مراد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ''الحاوی فی تفسیر القرآن'' میں ہر آیت سے متعلق بہت سی تفاسیر پوری پوری نقل کر دی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کے فوائد و نکات کی کوئی انتہا نہیں نہ اس کے عجائب کبھی ختم ہو سکتے ہیں، نہ اللہ تعالیٰ نے اس کے فہم کا دروازہ کبھی بند فرمایا ہے، ہر زمانے میں اس کے نئے سے نئے فوائد و نکات ظاہر ہوتے رہتے ہیں، اگرچہ لوگوں کے فہم اور استعداد میں بہت ہی تفاوت ہے، تاہم قرآن مجید میں غور وفکر کرنے والا کوئی شخص بقدر استعداد و محنت اللہ تعالیٰ کی اس عطا سے محروم نہیں رہتا۔ ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا: ''کیا آپ لوگوں کے پاس کوئی کتاب ہے؟'' انھوں نے فرمایا: ''نہیں، ہاں اللہ کی کتاب ہے، یا وہ فہم ہے جو کسی مسلم آدمی کو دیا گیا ہو یا جو اس صحیفے میں ہے۔'' ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: ''اس صحیفے میں کیا ہے؟'' انھوں نے فرمایا: ''دیت کے مسائل، قیدی کو چھڑانا اور یہ کہ کوئی مسلم کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔'' [بخاری، العلم، باب کتابة العلم : ۱۱۱]

ضعیف اور موضوع روایات:

اکثر کتبِ تفسیر کے حسن کو داغ دار کرنے والی سب سے بڑی چیز ضعیف (کمزور) اور موضوع (من گھڑت) روایات ہیں۔ ان روایات نے یہود و نصاریٰ، مستشرقین اور دوسرے غیر مسلم لوگوں کو اور خصوصاً اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے ملحدوں اور منکرین حدیث کو اسلام پر طعن کا موقع فراہم کیا ہے، حالانکہ ان روایات کا اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ﴾ کی تفسیر کہ "نٓ" سے مراد وہ مچھلی ہے جس کی پشت پر زمین رکھی ہوئی ہے اور ﴿قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ کی تفسیر کہ "قٓ" سے مراد ایک پہاڑ ہے جس نے پوری زمین کو گھیر رکھا ہے وغیرہ۔

کسی بھی مفسر کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ صرف وہ روایت نقل کرے جو صحیح یا حسن سند کے ساتھ ثابت ہو، اگر کوئی دوسری روایت بیان کرے تو اس کا باطل یا ضعیف ہونا بھی بیان کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» ''جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔'' [بخاری، العلم، باب إثم من كذب على النبي ﷺ: ١١٠، عن عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہما] بلکہ جس کے ثابت ہونے میں شک ہو وہ بیان کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ حَدَّثَ عَنِّي حَدِيثًا يُرَى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ» ''جو شخص مجھ سے کوئی بات بیان کرے جس کے متعلق وہ گمان کرتا ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے۔''

[مسلم، المقدمة، باب وجوب الرواية عن الثقات.....، عن المغيرة بن شعبة و سمرة بن جندب رضی اللہ عنہما]

حقیقت یہ ہے کہ تحقیق اور یقین کے بغیر کسی کے ذمے کوئی بات لگانا جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ» ''آدمی کو جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر بات جو سنے اسے بیان کر دے۔'' [مسلم، المقدمة: ٥، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ] قدیم مفسرین اور محدثین روایت کی سند بیان کر کے اپنے آپ کو صحت یا ضعف بیان کرنے کی ذمہ داری سے سبکدوش سمجھتے ہیں کہ لوگ سند دیکھ کر خود تحقیق کر لیں گے۔ ممکن ہے اس وقت کے اکثر علماء راویوں کے حالات سے عام طور پر آگاہ ہوں اور سند دیکھ کر صحیح اور ضعیف کی پہچان کر لیتے ہوں، مگر اس وقت بھی خالص صحیح احادیث علیحدہ کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی، جس کے لیے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے صحیحین تصنیف کر کے امت کی راہنمائی کا عظیم فریضہ سرانجام دیا۔ ان کے بعد ائمہ نے بھی یہ فریضہ سرانجام دیا، مگر شیخین کے معیار کو برقرار نہیں رکھ سکے۔

کتب تفسیر میں عام طور پر اس بات کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ خصوصاً بدعتی فرقوں سے تعلق رکھنے والے حضرات مثلاً باطنی، معتزلی، خارجی، رافضی، جہمیہ اور قدریہ سے تعلق رکھنے والے مفسرین کے ہاں اس کا بالکل خیال نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح ہمارے زمانے کے متجدد اور عقل پرست مصنفین کا بھی یہی حال ہے، ان میں سے بعض مفسرین نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ تفسیر کرتے ہوئے کسی مسئلہ میں بہت سی روایات ذکر کر دیں گے، جن میں بخاری اور مسلم کی صحیح احادیث بھی ہوں گی اور

تیسرے طبقے کی کتابوں کی ضعیف روایات بھی، مثلاً بیہقی، طبرانی وغیرہ۔ پھر صحیح بخاری اور مسلم کی صحیح ثابت احادیث کے بجائے کسی کمزور روایت کو یہ کہہ کر ترجیح دے دیں گے کہ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے اور اپنے اس طرزِ عمل کے لیے انھوں نے اصولِ حدیث کے مسلمہ قواعد کو پس پشت ڈالتے ہوئے ذوق، وجدان اور مزاج شناسیٔ رسول اللہ ﷺ کو حدیث کی صحت و ضُعف کا پیمانہ قرار دیا ہے۔ یہی حال فقہی فرقوں کے ان متعصب حضرات کا ہے جن کے ہاں صحت وضعف کا فیصلہ ان کے فرقے کے ائمہ کے فقہی اقوال کو مدِنظر رکھ کر ہوتا ہے۔ مقصد سب کا اپنی مرضی کی ضعیف اور موضوع روایات کو رائج کرنا اور صحیح ثابت احادیث سے جان چھڑانا ہے۔ باطنی فرقوں کے پیروکار لوگوں نے تصوف کے پردے میں وحدۃ الوجود کے نام پر خالق و مخلوق کو ایک قرار دے کر اصولِ حدیث ایک طرف، مکمل قرآن وحدیث اور اسلام ہی کو بے معنی قرار دینے کی کوشش کا نام تفسیرِ قرآن رکھا ہے، جو دراصل تحریفِ قرآن ہے۔ بعض صوفی حضرات براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے ملاقات اور آپ ﷺ سے سننے کا دعویٰ رکھتے ہیں، ان کے مریدوں کے لیے وہ جو بھی کہہ دیں حدیث ہے، خواہ وہ واضح طور پر رسول اللہ ﷺ پر بہتان ہو۔ بعض " حَدَّثَنِیْ قَلْبِیْ عَنْ رَبِّیْ " (میرے دل نے مجھے میرے رب سے بیان کیا) کہہ کر قرآن وحدیث بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

الحمد للہ علمائے حدیث کی محنت سے اب یہ ذوق عام ہو رہا ہے کہ حدیث کی صحت وضُعف کو دیکھا جائے اور صرف صحیح احادیث قبول کی جائیں۔ کتبِ احادیث کی جدید طبعات تحقیق کے ساتھ شائع ہو رہی ہیں۔ اس کام میں شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ، ان کے شاگردوں اور سعودی عرب اور مصر و شام کے محقق علماء کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اردو میں ہمارے عزیز بھائی سیف اللہ خالد نے اپنی تفسیر "دعوۃ القرآن" میں ہر آیت سے متعلق صحیح احادیث کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ اللہ کے فضل سے میں نے بھی اس تفسیر میں صرف صحیح وحسن احادیث کا التزام کیا ہے۔ اگر کوئی خطا ہوئی ہے تو جان بوجھ کر نہیں اور آگاہ ہونے پر ہر وقت اصلاح کا عزم موجود ہے۔ (الحمد للہ)

اسرائیلیات:

کتبِ تفسیر کے اعتبار کو مجروح کرنے والی دوسری چیز اسرائیلی روایات کی بھرمار ہے۔ محقق علماء مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ نے تصریح کی ہے کہ اسرائیلی روایات کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ جن کی قرآن یا حدیث نے تصدیق کی ہے، انھیں بیان کرنا بالاتفاق جائز ہے، دوسری وہ جن کی قرآن یا حدیث نے تکذیب کی ہے، انھیں ان کے باطل ہونے کی صراحت کیے بغیر بیان کرنا حرام ہے، تیسری وہ جن کی قرآن وحدیث سے نہ تصدیق ہوتی ہے نہ تکذیب، انھیں بیان کرنا جائز ہے مگر ان پر یقین کرنا یا انھیں صحیح سمجھنا جائز نہیں۔

ایسی روایات کا عام گفتگو میں بیان کرنا جائز بھی ہو تو تفسیر قرآن کے شایانِ شان ہرگز نہیں۔ ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: «يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ! كَيْفَ تَسْأَلُوْنَ أَهْلَ الْكِتَابِ؟ وَ كِتَابُكُمُ الَّذِيْ أُنْزِلَ عَلٰى نَبِيِّهِ ﷺ

أَحْدَثُ الْأَخْبَارِ بِاللّٰهِ تَقْرَءُونَهُ لَمْ يُشَبْ، وَ قَدْ حَدَّثَكُمُ اللّٰهُ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ بَدَّلُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ وَ غَيَّرُوا بِأَيْدِيهِمُ الْكِتَابَ فَقَالُوا: ﴿هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ [البقرة : ٧٩] أَفَلَا يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ مُسَاءَلَتِهِمْ ؟ وَلَا وَاللّٰهِ مَا رَأَيْنَا رَجُلًا مِنْهُمْ قَطُّ يَسْأَلُكُمْ عَنِ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ » ''اے مسلمانو کی جماعت! تم اہلِ کتاب سے کس طرح سوال کرتے ہو، جب کہ تمھاری کتاب جو نبی ﷺ پر نازل کی گئی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی خبروں میں سب سے تازہ ہے۔ تم اسے اس حال میں پڑھتے ہو کہ اس میں کوئی ملاوٹ نہیں کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو لکھا تھا اہل کتاب نے اسے بدل دیا اور انھوں نے اپنے ہاتھوں سے اللہ کی کتاب میں تبدیلی کر دی اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے ساتھ بہت تھوڑی قیمت حاصل کریں، تو کیا تمھارے پاس جو علم آیا ہے وہ تمھیں ان سے سوال کرنے سے منع نہیں کرتا۔ نہیں! قسم ہے اللہ کی! ہم نے ان میں سے کسی آدمی کو کبھی تم سے اس کے متعلق سوال کرتے ہوئے نہیں دیکھا جو تم پر نازل کیا گیا ہے۔'' [بخاری، الشهادات، باب لا يسأل أهل الشرك عن الشهادة وغيرها : ٢٦٨٥]

صحیح ابن حبان کے محقق نے « حَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ » کے حاشیہ میں اسرائیلی روایات کی تین معروف اقسام ذکر کرتے ہوئے تیسری قسم کے متعلق لکھا ہے: ''تیسری قسم وہ ہے جس کے متعلق قرآن و حدیث خاموش ہیں، نہ ان کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب، سو ہم نہ ان کا یقین کرتے ہیں اور نہ انھیں جھوٹا سمجھتے ہیں، البتہ انھیں بیان کرنا جائز ہے۔ لیکن جیسا کہ علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ جائز نہیں کہ انھیں قرآن کی تفسیر میں ذکر کیا جائے اور انھیں آیات کے معنی کے بیان کے لیے یا آیات میں غیر معین کی تعیین کے لیے یا آیات میں مجمل کی تفصیل کے لیے ایک قول یا روایت قرار دیا جائے، کیونکہ کلام اللہ کی تفسیر ان روایات کے ساتھ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایات، جن کے صدق و کذب کو ہم جانتے ہی نہیں، اللہ سبحانہ کے کلام کا معنی بیان کر رہی ہیں اور جو کچھ اس میں مجمل بیان کیا گیا اس کی تفصیل کر رہی ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب اس سے کہیں بلند ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے جب ہمیں بنی اسرائیل سے بیان کرنے کی اجازت دی تو ہمیں یہ حکم بھی دیا کہ ہم انھیں نہ سچا کہیں نہ جھوٹا، تو اس سے زیادہ تصدیق کیا ہو گی کہ ہم انھیں اللہ کی کتاب کے ساتھ ملا دیں اور انھیں اس کی تفسیر اور وضاحت کا مقام دے دیں۔ اللہ معاف فرمائے۔''

شاید بعض حضرات « حَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ » (بنی اسرائیل سے بیان کرو اور کوئی حرج نہیں) سے استدلال کرتے ہوئے ایسی روایات بیان کرنا جائز قرار دیتے ہوں، مگر اس حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ وہ روایات بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں جن کے درست ہونے کا یقین ہو، کیونکہ جس بات کے غلط ہونے کا گمان بھی ہو اسے بیان کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں، جن میں سے بعض پہلے بھی بیان ہو چکی ہیں، سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « مَنْ حَدَّثَ عَنِّي حَدِيثًا يُرَى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ » ''جو شخص مجھ سے کوئی حدیث بیان کرے جس کے متعلق وہ گمان کرتا ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹوں میں

سے ایک ہے۔'' [مسلم، المقدمة، باب وجوب الرواية عن الثقات .....]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ » ''آدمی کو جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر بات جو سنے اسے بیان کر دے۔'' [مسلم، المقدمة : ٥] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور اہل اسلام کے لیے اس کی تفسیر عربی زبان میں کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَ ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ » [البقرة : ١٣٦] ''اہل کتاب کو نہ سچا کہو اور نہ انھیں جھوٹا کہو اور یہ کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا۔'' [بخاري، التفسير، باب : ﴿ قولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا ﴾ : ٤٤٨٥]

خلاصہ یہ کہ تیسری قسم کی اسرائیلی روایات کو عام گفتگو میں ذکر کرنا جائز بھی ہو تو ان کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کی تفسیر میں انھیں ذکر کرنا ہرگز جائز نہیں۔

قدیم تفاسیر میں اسرائیلیات:

قدیم مفسرین جن میں بعض تابعین بھی شامل ہیں، اسرائیلی روایات سے قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہیں، مگر یہ ذکر نہیں کرتے کہ یہ اسرائیلی روایات ہیں، بلکہ وہ ان حضرات کی اپنی تفسیر دکھائی دیتی ہے۔ بعض غیر ثقہ اور غیر محتاط راوی انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی منسوب کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے اکثر مقامات پر ایسے اقوال اور روایات کا اسرائیلی ہونا اور نا قابل اعتبار ہونا واضح فرما دیا ہے۔ ایسی روایات پر تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ بات خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے، مثلاً کوئی مفسر تابعی ہو یا غیر تابعی اور وہ پہلے زمانے کی بات اپنے پاس سے ذکر کرے، مثلاً یہ کہ عزیز مصر یا اس کی بیوی کا نام فلاں تھا، یا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے نام یہ تھے وغیرہ، تو بات خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے کہ جب یہ بات قرآن و حدیث میں مذکور نہیں تو ظاہر ہے کہ ان حضرات نے یہ باتیں بنی اسرائیل سے لی ہیں اور ان پر یقین کسی صورت نہیں کیا جا سکتا۔

بعض جدید مفسرین:

بعض جدید مفسرین نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ تفسیر کرتے ہوئے قرآن کی آیات کے معنی کی وضاحت کے لیے یا ان میں غیر معین کی تعیین کے لیے یا ان میں مجمل بات کی تفصیل کے لیے تورات، انجیل اور دوسری سابقہ کتب سے صفحوں کے صفحے نقل کر دیتے ہیں اور عام لوگ ان کی وسعت علم سے مرعوب ہوتے ہیں۔ حالانکہ موجودہ کتب وہ ہیں ہی نہیں جو انبیاء پر اتری تھیں، کیونکہ ان میں لوط، داؤد اور سلیمان علیہم السلام جیسے انبیاء پر نہایت شرم ناک بہتان درج ہیں۔ اہل کتاب نے ان میں تبدیلی کر دی ہے اور ان کا اکثر حصہ اہل کتاب کا تصنیف کردہ ہے، جس میں موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب اور اس کے بعد کا تذکرہ ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں۔ اس لیے ان کی کسی بھی بات پر یقین

کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ ان کتابوں سے صرف قرآن وحدیث کی تصدیق کرنے والی روایات بطورِ شاہد یا دوسری روایات بطور الزام پیش کی جاسکتی ہیں، قرآن مجید کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ [البقرة : ١] یعنی اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ اب کسی بھی قسم کے شک وشبہ سے پاک کتاب کی تفسیر ان روایات سے کرنا جن کی حیثیت وہم وگمان سے زیادہ کچھ نہیں، تفسیر کے نام سے قرآن مجید پر ظلم ہے۔ چونکہ میرے پیش نظر سلف صالحین کا منہج ہے، اس لیے میں نے ایسے کسی مفسر کا نام ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا، اللہ نے بھی اکثر مقامات پر یہی اسلوب اختیار کیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ ﴾ [البقرة : ٨] اور ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ﴾ [الحج : ١١] یعنی بعض لوگ یہ کہتے ہیں، بعض لوگ اللہ کی عبادت کنارے پر رہ کر کرتے ہیں وغیرہ۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا طریقہ بھی یہ تھا کہ کسی شخص کا کوئی کام نادرست ہوتا تو یہ کہہ کر خطاب عام فرماتے: « مَا بَالُ اَقْوَامٍ » یعنی کیا حال ہے کچھ لوگوں کا جو اس طرح کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں کئی لوگوں پر قرآن مجید یا صحیح احادیث کی مخالفت کی وجہ سے رد فرمایا، مگر کسی کا نام نہیں لیا، بلکہ ہر جگہ یہی فرمایا: " وَ قَالَ بَعْضُ النَّاسِ " اور بعض لوگوں نے کہا۔ الحمد للہ میں نے پوری تفسیر میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ کسی کا نام لیے بغیر غلط بات کا رد کروں۔

آثارِ قدیمہ:

کچھ مفسرین نے قرآن کی تفسیر قدیم اقوام کے کھنڈرات سے برآمد ہونے والے کتبوں سے کی ہے، جن کی زبانیں ناپید ہو چکی ہیں اور کفار نے اپنے ظن وتخمین سے انھیں پڑھا ہے، چنانچہ یہ حضرات ذوالقرنین، اس کی بنائی ہوئی دیوار، اصحابِ کہف اور اصحابِ سبت کی بستی، فراعنۂ مصر اور کشتی نوح وغیرہ سے متعلق ایسے ہی ذرائع سے تفسیر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اول تو ان کتبوں کی کچھ حیثیت نہیں، پھر کفار کی ظن وتخمین پر مبنی باتوں کو تحقیق قرار دے کر ان سے قرآن کی تفسیر وہی شخص کر سکتا ہے جو وہم وگمان اور یقین واطمینان کے درمیان فرق سے ناآشنا ہو۔ اکثر لوگ ایسے مفسرین کے مغربی زبانوں یا بعض مغربی علوم سے واقفیت یا ان کی سیاسی یا مذہبی حیثیت سے مرعوب ہو کر ان کی رطب و یابس تحقیقات مانتے چلے جاتے ہیں اور ان کی تفاسیر کو عصر حاضر کا عجوبہ خیال کرتے ہیں، حالانکہ ان کی ایسی باتوں کی حیثیت سراب سے زیادہ کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ اللہ کے فضل سے آپ میری اس تفسیر کو وہم وگمان پر مبنی ایسی باتوں سے پاک پائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

تفسیر کے ماخذ:

جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ مرید کے، کے مکتبہ میں تفسیر کا خاصا ذخیرہ موجود ہے، مگر کمپیوٹر میں مکتبہ شاملہ، مکتبہ ذہبیہ اور دوسرے مکتبہ جات آنے کے بعد تفسیر، حدیث، فقہ، لغت، بلاغت اور دوسرے بے شمار علوم کی ہزاروں کتابیں ایسی دسترس میں آئیں کہ ایک لیپ ٹاپ نے سمندر کو قطرے میں سمو رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اجرِ جمیل عطا فرمائے جنھوں نے یہ کام سرانجام دیا

اور بے دریغ سرمایہ خرچ کر کے اتنا عظیم ذخیرہ امت مسلمہ کو مفت مہیا کر دیا، اگر کوئی شخص اتنی کتابیں خریدنا چاہے تو کروڑوں روپے پاس ہونے کے باوجود بھی نہیں خرید سکتا، کیونکہ بہت سی کتابیں بازار میں دستیاب ہی نہیں۔ [جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ] مکتبہ کا تفسیر کا خانہ کھولیں تو بیک وقت ایک آیت سے متعلق بہت سی تفاسیر دیکھی جا سکتی ہیں۔ میں یہاں ان کتابوں کی فہرست دینے کی ضرورت نہیں سمجھتا کیونکہ مکتبہ شاملہ عام مل جاتا ہے، میری ہر صاحب علم سے درخواست ہے کہ اس سے ضرور فائدہ اٹھائے۔

اردو تفاسیر میں سے سب سے زیادہ فائدہ میں نے اپنے استاذ مولانا محمد عبدہ رحمہ اللہ کے مرتب کردہ ''اشرف الحواشی'' سے اٹھایا ہے۔ یہ حواشی مختصر اور علمی زبان میں ہیں اور بے حد مفید ہیں۔ میں نے ہر جگہ اس کا حوالہ نہیں دیا، کیونکہ میں نے اکثر مقامات پر انھیں آسان زبان میں کچھ تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، یا بعض کمزور باتوں اور ضعیف احادیث کو حذف کیا ہے اور بعض باتوں کا اضافہ کیا ہے۔ دوسری بہت سی اردو تفاسیر اور حواشی بھی برابر میرے زیر نظر رہے ہیں اور میں نے بقدر ضرورت ان سے استفادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان تمام محسن مفسرین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ آسان پیرائے میں تفسیر لکھوں، تاکہ ہر شخص سمجھ سکے، البتہ بعض باتیں جو ادب یا بلاغت سے تعلق رکھتی ہیں، ممکن ہے بعض حضرات کی سمجھ میں پوری طرح نہ آئیں۔ شوق رکھنے والے احباب کسی پختہ عالم سے ایسے مقامات سمجھنے کے لیے رجوع کر سکتے ہیں، صرف آسانی کی غرض سے کتاب کو ایسے فوائد سے خالی رکھنا مجھے گوارا نہیں ہوا۔ اس ترجمہ و تفسیر سے عام قاری کو قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر سمجھنے میں آسانی ہوگی، ترجمہ پڑھنے اور پڑھانے والوں کو اس سے مدد ملے گی اور خطبہ اور درس دینے والے حضرات بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ (ان شاء اللہ) یاد رہے کہ اس ترجمہ و تفسیر سے پوری طرح فائدہ وہی اٹھا سکتا ہے جو اس مقدمہ تفسیر کے علاوہ عرض مترجم کو پوری توجہ سے پڑھے۔

اختصار کے پیش نظر میں نے احادیث کے ایک یا دو حوالوں پر اکتفا کیا ہے، حالانکہ وہ حدیث کئی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے اور اس اختصار ہی کی وجہ سے اکثر جگہ احادیث کا صرف ترجمہ دیا گیا ہے متن نہیں۔

قرآن مجید کے ترجمے کے بعض مقامات پر میں نے پہلے سے بہتر الفاظ کے ساتھ ترمیم کی ہے، اگر اس تفسیر میں شامل ترجمے کا پہلی اشاعتوں کے ترجمے اور ترجمے کی سی ڈی یا تفسیر دعوۃ القرآن اور اس کی سی ڈی سے کہیں فرق ہو تو اس کا باعث یہ ترمیم ہوگی۔ آئندہ بھی اصلاح و ترمیم کا یہ عمل جاری رہے گا۔ (ان شاء اللہ)

یہ تفسیر کئی شیوخ الحدیث نے پڑھی اور اس کی اصلاح فرمائی ہے۔ خصوصاً مولانا عبدالعزیز علوی شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد نے اس جلد کے آخری پانچ پارے پڑھے، مولانا گلزار احمد شیخ الحدیث دار القرآن فیصل آباد، مولانا حافظ محمد عبداللہ رفیق شیخ الحدیث دار العلوم المحمدیہ لوکو ورکشاپس لاہور اور الشیخ مولانا عبدالعزیز کوئٹہ نے تمام پارے پڑھے۔ ان کے علاوہ دار الاندلس کے مجلس التحقیق الاسلامی کے رفقاء محمد اشتیاق اصغر، حافظ سعید الرحمٰن، حافظ ثناء اللہ اور حافظ رضوان عبداللہ نے اس تفسیر

کے حوالہ جات کی مراجعت کی، جہاں ضرورت تھی حوالے درج کیے، پوری کتاب کی بار بار پروف خوانی کی اور مجھے اصلاح کے لیے مشورے دیے۔

دار الاندلس کے مدیر محترم جاوید الحسن صدیقی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر نہایت شوق اور محبت سے اسے طبع کرنے کے لیے مسلسل محنت کی، میں ان سب حضرات کا شکر گزار ہوں، اللہ تعالیٰ سب کو ان کی محنت کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ ان کے علاوہ محترم حافظ محمد سعید ﷾ کا شکریہ ادا کرنا بھی مجھ پر لازم ہے جن کی خصوصی دلچسپی، ہمت افزائی اور اس کام کے لیے فراغت مہیا کرنے سے میرے لیے یہ کام آسان ہوا۔ اس کے بعد سب سے پہلے بھی اللہ کی حمد اور اس کا شکر ہے اور آخر میں بھی اس کی حمد اور اس کا شکر ہے جس نے مجھے یہ تفسیر لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور اسے طبع کرنے کے اسباب مہیا فرمائے۔ اب تک شروع سے سورۂ طٰہٰ تک تفسیر لکھی جا چکی ہے اور آخر کے دو پاروں کی تفسیر پہلے ہی طبع ہو چکی ہے۔ اپنے رحمان و رحیم رب سے میری دعا ہے کہ وہ مجھے اس کے باقی اجزا لکھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور اسے دنیا اور آخرت میں حسن قبول سے نوازے اور آخرت میں اسے میرے گناہوں کی مغفرت، جنت اور رب تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

عبد السلام بن محمد

جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ مرکز طیبہ مرید کے

۱۴ شعبان ۱۴۳۲ھ

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ ۱ مکیۃ ۵ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیاتھا ۷ رکوعاتھا ۱

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے ○

صحیح احادیث میں اس کا نام "فَاتِحَةُ الْكِتَابِ، اَلصَّلَاةُ، سُوْرَةُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، سُوْرَةُ الْحَمْدِ، اَلسَّبْعُ الْمَثَانِيْ، اَلْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ، اُمُّ الْقُرْآنِ" اور "اُمُّ الْكِتَابِ" آیا ہے، جیسا کہ فاتحہ کے فضائل کی احادیث میں آ رہا ہے۔ اسماء کی کثرت سورت کے معانی و مطالب کی کثرت کی دلیل ہے۔

سورۂ فاتحہ کے فضائل: ① ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''ایک دفعہ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے اپنے اوپر زور سے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو سر اٹھایا اور فرمایا: ''یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج کھولا گیا ہے، آج سے پہلے یہ کبھی نہیں کھولا گیا۔'' تو اس سے ایک فرشتہ اترا، پھر فرمایا: ''یہ فرشتہ زمین پر اترا ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں اترا۔'' اس فرشتے نے سلام کہا اور کہا: ''آپ کو دو نوروں کی خوش خبری ہو، جو آپ کو دیے گئے ہیں، آپ سے پہلے وہ کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے، فاتحۃ الکتاب اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات۔ آپ ان دونوں میں سے جو حرف بھی پڑھیں گے وہ چیز آپ کو ضرور عطا کر دی جائے گی۔'' [مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل الفاتحة...... ٨٠٦]

② ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے، میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے مجھے بلایا، میں نہ آیا، یہاں تک کہ میں نے نماز پڑھی، پھر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمھارے آنے میں کیا رکاوٹ بنی؟'' میں نے عرض کیا: ''میں نماز پڑھ رہا تھا۔'' فرمایا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اور رسول کی دعوت قبول کرو۔'' پھر فرمایا: ''کیا میں تمھیں مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت نہ سکھاؤں؟'' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے آپ کو یاد دلایا تو آپ نے فرمایا: ''الحمد للہ رب العالمین ہی ''سبع مثانی'' ہے، (یعنی وہ سات آیتیں ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں) اور یہی القرآن العظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔'' [بخاري، التفسير، باب قوله : ﴿ ولقد آتيناك سبعا...... ﴾ : ٤٧٠٣]

③ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے ایک سفر میں تھے، راستے میں اترے تو ایک لڑکی آئی اور کہنے لگی: ''قبیلے کے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا ہے اور ہمارے لوگ غائب ہیں تو کیا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے؟'' چنانچہ اس کے ساتھ ایک آدمی گیا جس کے متعلق ہمیں دم کرنے کا گمان نہیں تھا، اس نے اسے دم کیا تو وہ تندرست ہو گیا۔ سردار نے اسے تیس بکریاں دینے کو کہا اور ہمیں دودھ پلایا۔ جب وہ واپس آیا تو ہم نے اس سے پوچھا: ''کیا تم اچھی طرح دم کر لیا کرتے تھے؟'' اس نے کہا: ''نہیں، میں نے صرف اُم الکتاب کے ساتھ دم کیا ہے۔'' ہم نے کہا: ''جب تک ہم

رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ پہنچیں کچھ نہ کرو۔'' جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کیسے معلوم ہوا کہ یہ دم ہے؟ (بکریاں) تقسیم کرلو اور میرا حصہ بھی رکھو۔'' [بخاری، فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الكتاب : ۵۰۰۷] بخاری کی ایک روایت (۵۷۳۶) میں ہے کہ ان لوگوں نے ابوسعید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا تھا، جب انھوں نے دم کی درخواست کی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ کہہ کر کہ تم نے ہماری ضیافت نہیں کی تیس بکریوں کی شرط طے کی تھی۔ مسلم (۲۲۰۱) میں ہے کہ یہ دم کرنے والے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

④ خارجہ بن صلت کے چچا (علاقہ بن صحار تمیمی رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اسلام لے آئے، پھر واپس گئے تو ان کا گزر کچھ لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے پاس ایک پاگل آدمی لوہے کی زنجیروں میں بندھا ہوا تھا۔ اس کے گھر والے کہنے لگے: ''تمھارا یہ ساتھی (یعنی رسول اللہ ﷺ) خیر لے کر آیا ہے تو تمھارے پاس کوئی چیز ہے جس سے تم اس کا علاج کرو؟'' تو میں نے اسے فاتحۃ الکتاب کے ساتھ دم کیا تو وہ تندرست ہو گیا، انھوں نے مجھے ایک سو بکریاں دیں، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو (سارا واقعہ) بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اس کے علاوہ بھی کچھ پڑھا؟'' میں نے کہا: ''نہیں!'' آپ نے فرمایا: ''بکریاں لے لو! مجھے اپنی عمر کی قسم! جس نے باطل دم کے ساتھ کھایا (وہ جانے) تم نے تو حق دم کے ساتھ کھایا ہے۔'' [أبو داؤد، الطب، باب كيف الرقى : ۳۸۹۶]

⑤ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں: ''جس نے کوئی نماز پڑھی جس میں اُم القرآن نہ پڑھی، وہ ناقص ہے۔'' تین دفعہ فرمایا تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: ''ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں۔'' تو فرمایا: ''اسے اپنے دل میں پڑھو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں نے ''صلاۃ'' (نماز) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو نصف حصوں میں تقسیم کر لیا ہے اور میرے بندے کے لیے ہے جو اس نے سوال کیا۔ تو جب بندہ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندے نے میری حمد کی'' اور جب وہ ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندے نے میری ثنا کی'' اور جب وہ ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ کہتا ہے تو وہ فرماتا ہے: ''میرے بندے نے میری تمجید کی (بزرگی بیان کی)'' اور کبھی فرماتا ہے: ''میرے بندے نے (اپنا آپ) میرے سپرد کر دیا۔'' پھر جب وہ ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ کہتا ہے تو وہ فرماتا ہے: ''یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لیے ہے جو اس نے سوال کیا۔'' پھر جب وہ ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ کہتا ہے تو وہ فرماتا ہے: ''یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے ہے جو اس نے سوال کیا۔'' [مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في ..... : ۳۹۵]

چند فوائد:

① جس طرح اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے مراتب میں فرق ہے، ان میں سے بعض بعض سے افضل ہیں، ہمارے نبی کریم ﷺ پوری اولاد آدم کے سردار ہیں، اسی طرح سورۂ فاتحہ تورات، انجیل اور قرآن کی ہر سورت سے بڑی سورت ہے، اگرچہ بہت سی سورتیں آیات کے اعتبار سے اس سے لمبی ہیں، مگر عظمت میں یہ سب سے بڑھ کر ہے، جیسا کہ آیات میں آیت الکرسی سب سے عظیم آیت ہے، گو اس سے لمبی آیات بہت سی ہیں۔

② اس سورت کا نام ''فاتحہ'' اس لیے ہے کہ اس سے کتاب اللہ کا آغاز ہوتا ہے۔ نماز میں قراءت کا آغاز بھی اسی سے ہوتا ہے۔ قاموس میں ہے: '' فَاتِحَةُ كُلِّ شَيْءٍ اَوَّلُهُ '' ''ہر چیز کا فاتحہ اس کے اول کو کہتے ہیں۔''

③ اس سورت کا نام ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' یا ''سُوْرَةُ الْحَمْدِ'' اس لیے ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی جامع حمد آئی ہے۔

④ اس کا نام ''اَلسَّبْعُ الْمَثَانِيْ'' اس لیے ہے کہ یہ سات آیات ہیں جو ہر نماز (فرض ہو یا نفل) کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں، نماز کے علاوہ بھی کثرت سے پڑھی جاتی ہیں۔ دیکھیے سورۂ حجر (۸۷)۔

⑤ اس کے نام ''اُم القرآن، اُم الکتاب، القرآن العظیم'' اس لیے ہیں کہ اس میں مختصر طور پر قرآن مجید کے تمام بنیادی مضامین آ گئے ہیں، باقی قرآن ان کی تفصیل ہے، چنانچہ ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کمال، اس کی حمد، ثنا اور تمجید آ گئی ہیں، جیسا کہ اوپر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا اور آگے آیات کی تفسیر میں بیان ہوگا۔ ''يَوْمِ الدِّيْنِ'' میں آخرت، ثواب و عذاب اور وعدے اور وعید کا ذکر ہے۔ ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' میں بندوں کو ایک اللہ سے مانگنے، اسی کے سامنے عاجزی کرنے، اپنی تمام عبادات زبانی ہوں یا بدنی یا مالی اسی کے لیے خاص کرنے اور اسے ہر شریک سے پاک قرار دینے کی تعلیم ہے۔ اسے ''توحید الوہیت'' کہتے ہیں، تمام پیغمبر اسی کی دعوت لے کر آئے۔ ''وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' میں اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے، اسی پر توکل کرنے اور عبادت اور دوسرے تمام معاملات میں اسی سے مدد مانگنے کی تعلیم ہے کہ اگر اس کی مدد نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اسے ''استعانت'' کہتے ہیں۔ ''الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' میں شریعت کے تمام احکام، پورا اسلام اور پورا قرآن شامل ہے۔ ''اِهْدِنَا'' میں زندگی کے ایک ایک لمحہ میں راہِ راست پر چلنے اور آخری دم تک بلکہ جنت میں پہنچنے تک اس پر قائم رہنے کی دعا کی تعلیم ہے۔ ''اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی تاریخ اور ان کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور ان جیسے اعمال صالحہ اختیار کرنے کی ترغیب ہے، تاکہ ان کے ساتھ جنت میں جا سکیں۔ ''الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' میں یہود اور ان تمام اقوام کی تاریخ کا ذکر ہے جو حق جاننے کے باوجود اس کی مخالفت پر اڑ گئے اور ''الضَّآلِّيْنَ'' میں نصاریٰ اور ان تمام لوگوں کے واقعات کی طرف اشارہ ہے جو راہِ راست سے بھٹک گئے اور ان دونوں قسم کے لوگوں کے اعمال بد سے اجتناب کی تلقین

ہے، تاکہ ان کے ساتھ جہنم میں جانے سے بچے رہیں۔ (القاسمی) ان سات آیات میں قرآن مجید کے مزید مضامین کا ذکر ہر آیت کی الگ تفسیر میں بھی آئے گا۔ (ان شاء اللہ العزیز)

⑥ اس سورت کا نام ''صلاۃ'' اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں نے صلاۃ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو نصف حصوں میں تقسیم کرلیا ہے، اس کی وضاحت سورۃ الفاتحہ کے ساتھ فرمائی۔ معلوم ہوا جو ''صلاۃ'' (نماز) اس ''صلاۃ'' (فاتحہ) کے بغیر ہو وہ ''صلاۃ'' (نماز) ہی نہیں، جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل فرمایا: ((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)) ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔'' [بخاری، الأذان، باب وجوب القراءة للإمام..... : ٧٥٦۔ مسلم : ٣٩٤]

⑦ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ پورے قرآن کے اسرار سورۂ فاتحہ میں، فاتحہ کے اسرار ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' میں ''بِسْمِ اللّٰهِ'' کے اسرار اس کی باء میں اور باء کے اسرار اس کے نقطے میں آ گئے ہیں۔ مگر سورۂ فاتحہ میں پورے قرآن کے مضامین آ جانے کا یہ مطلب درست نہیں، دراصل یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جو نہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں نہ اس پر عمل کرنا چاہتے ہیں، بلکہ اپنے ایجاد کردہ طریقوں کو قرآن کا نام دے کر مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ (المنار)

⑧ سورۂ فاتحہ کا دوسری سورتوں سے تعلق: ① کائنات کی تمام چیزوں کی تخلیق، پرورش اور حفاظت ''رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' اور ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کے تحت ہیں۔ ② توحید کے متعلق تمام قرآنی آیات ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' کے تحت ہیں۔ ③ داؤد علیہ السلام کے واقعہ میں اور دوسرے تمام مقامات میں عدل و انصاف کا ذکر ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کے تحت ہے۔ ④ ابراہیم علیہ السلام کی قربانی ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کے تحت اور ان کی اور تمام انبیاء کی دعائیں ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' کے تحت ہیں۔ ⑤ ایوب علیہ السلام کی شفاء، یونس علیہ السلام کی نجات، ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں محفوظ رہنا، زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے میں اولاد ملنا وغیرہ سب ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کے تحت ہیں۔ ⑥ ایمان دار اور متقی لوگوں کے احوال و واقعات اور ان کا نیک انجام آخری آیت کے تحت ہیں۔ اسی طرح بدکار اور سرکش لوگوں کے احوال و واقعات اور ان کا انجام بد بھی اسی آیت کے تحت ہیں۔ اسی کے مطابق دوسری تمام آیات و واقعات سمجھ لیں۔ ⑦ شیطان کا تکبر کے باعث دھتکارا ہوا ہونا ''الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' کی مثال ہے۔ (بدیع التفاسیر)

⑨ یہ سورت اگرچہ اللہ کا کلام ہے مگر یہ بندوں کو سکھانے کے لیے نازل ہوئی ہے کہ وہ یوں کہیں۔ دلیل اس کی گزشتہ حدیث ہے کہ بندہ یوں کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے۔ اس میں بندے کو اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے کہ پہلے اس کی حمد و ثنا اور تمجید کی جائے، پھر اللہ تعالیٰ سے اس کا بندہ ہونے کے تعلق کا ذکر کیا جائے اور اپنی بندگی کا وسیلہ پیش کیا جائے، اس کے بعد اللہ سے مدد مانگتے ہوئے اصل مقصد کا سوال کیا جائے جو صراط مستقیم کی ہدایت کا سوال ہے، جس سے اہم کوئی سوال نہیں۔ اس لیے بعض اہل علم نے اس کا نام ''تعلیم المسئلہ'' بھی رکھا ہے، یعنی مانگنے کا طریقہ سکھانے والی سورت۔

⑩ بعض لوگ زندہ یا فوت شدہ لوگوں کے نام کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! فلاں کے وسیلے سے یا واسطے سے یا بحرمت فلاں میری دعا قبول فرما، یہ بدعت ہے اور قرآن وسنت سے کہیں ثابت نہیں اور اگر یہ عقیدہ رکھے کہ ان بزرگوں کا نام لیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے منوا لیتے ہیں تو یہ شرک ہے جس میں مشرکین عرب مبتلا تھے۔ دیکھیے سورۂ یونس (۱۸) اور سورۂ زمر (۳)۔ صحیح وسیلہ جو ثابت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے وسیلے سے دعا کرنا ہے، یا اپنے کسی صالح عمل کے وسیلے سے دعا کرنا، جیسا کہ ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' میں ہے اور جیسا کہ آل عمران (۱۹۳) میں ایمان لانے کے وسیلے سے دعا کی گئی ہے اور غار والے تین اصحاب نے اپنے اپنے خالص عمل کے وسیلے سے دعا کی تھی۔ [بخاری، أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الغار : ۳٤٦٥، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما] یا کسی زندہ آدمی سے دعا کروانا، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ سے دعا کروایا کرتے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا کروایا کرتے تھے۔ [بخاری، فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب ذکر العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ : ۳۷۱۰، عن أنس رضی اللہ عنہ] ان تین صورتوں کے سوا وسیلے کی جتنی صورتیں ہیں، کچھ بدعت ہیں اور کچھ شرک کے زمرے میں آتی ہیں، اس لیے ان سے اجتناب لازم ہے۔

⑪ یہ سورت بہترین دم ہے، سانپ کے زہر جیسی خطرناک بیماری اور دیوانگی جیسی مشکل سے درست ہونے والی بیماری کا دور ہونا اس کی بے انتہا شفائی تاثیر کی دلیل ہے۔ میری ہمشیرہ ایک ٹانگ سے معذور تھی اور بیساکھی کے سہارے سے چلتی تھی، اس کی تندرست ٹانگ بھی بے کار ہوگئی، سارے گھر والے سخت مصیبت میں پھنس گئے، میرے والد صاحب کو ایک عالم نے سورۂ فاتحہ کا دم کرنے کی تاکید کی۔ تیرھویں دن ہمشیرہ دیوار کے سہارے سے ٹانگ پر کھڑی ہوگئی اور پھر اس کی ٹانگ بالکل تندرست ہوگئی۔ تقریباً چالیس برس ہو گئے آج تک وہ بیساکھی کے ساتھ اس ٹانگ پر چلتی پھرتی ہے۔ مجھے زندگی میں دو تین دفعہ نہایت سخت بیماری پیش آئی، علاج کے ساتھ ساتھ گھر والے سورۂ فاتحہ کا دم کرتے رہے، اگرچہ کچھ مدت لگی مگر اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی۔ (الحمد للہ)

⑫ ان احادیث سے قرآن کے ساتھ دم پر اجرت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ: « اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ » (سب سے زیادہ حق چیز جس پر تم اجرت لو، اللہ کی کتاب ہے) [بخاری، الطب، باب الشروط فی الرقیة بفاتحة الکتاب : ۵۷۳۷] اس کی دلیل ہیں۔ کتاب اللہ کی کتابت، طباعت، جلد بندی، خرید وفروخت اور تعلیم وغیرہ پر اجرت نہایت پاکیزہ اجرت ہے۔ اہلِ کتاب کو جو اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت لینے پر ملامت کی گئی اس کی وجہ ان کا حق کو چھپانا اور دنیاوی مفاد کے لیے غلط فتوے دینا تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ بقرہ (۴۱، ۷۹، ۱۷۴) اور آل عمران (۱۸۷)۔

[redacted] بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ : شیخ المفسرین طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو ادب سکھایا کہ اپنے تمام کاموں اور اہم مواقع سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی صفاتِ عالیہ کا ذکر کریں اور آپ ﷺ کے ذریعے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے ○

سے اپنی تمام مخلوق کو طریقہ سکھایا کہ اپنی گفتگو کا آغاز اور اپنے خطوط، کتابوں اور تمام ضروری کاموں کی ابتدا اسی کے ساتھ کریں، یہاں تک کہ "بِسۡمِ اللّٰهِ" (اللہ کے نام کے ساتھ) کہتے ہوئے یہ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ اللہ کے نام کے ساتھ کیا کرنا ہے، حذف شدہ لفظ خود ہی واضح ہوتا ہے کہ میں اللہ کے نام کے ساتھ پڑھتا ہوں یا کھاتا ہوں یا فلاں کام کرتا ہوں۔ یہاں "اسم" (نام) "تَسۡمِيَةٌ" (نام لینے) کے معنی میں ہے، جیسا کہ "كَلَامٌ" "تَكۡلِيۡمٌ" (کلام کرنے) کے معنی میں اور "عَطَاءٌ" "اِعۡطَاءٌ" (دینے) کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہے کہ میں اللہ کا نام لینے اور اسے یاد کرنے کے ساتھ پڑھتا ہوں (یا کوئی بھی کام کرتا ہوں) اور اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کا نام لینے کے ساتھ قراءت (یا کسی بھی کام) کا آغاز کرتا ہوں۔" مختصراً لفظ "اللّٰهِ" اس ہستی کا علم (ذاتی نام) ہے جو سب سے بلند و برتر اور سب کا خالق و مالک ہے۔ اس لفظ کا اصل "اِلَاهٌ" ہے۔ الف لام لگایا تو "اَلۡاِلَاهٌ" بن گیا۔ کثرت استعمال کی وجہ سے تخفیف کے لیے "اِلَاهٌ" کا ہمزہ حذف کر دیا گیا اور الف لام والے لام کو "اِلَاهٌ" کے لام میں مدغم کر دیا، "اِلَاهٌ" کے لام کے بعد والا الف بھی کثرت استعمال کی وجہ سے لکھنے میں ترک کر دیا گیا، تو لفظ "اللّٰهِ" ہو گیا۔ یہ "فِعَالٌ" بمعنی "مفعول" ہے، یعنی "اِلَاهٌ" بمعنی "مَاۡلُوۡهٌ" ہے، یعنی وہ ذات جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ "الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ" کی تفسیر اگلی آیت میں آ رہی ہے۔

"بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ" سورۂ نمل میں بالاتفاق آیت کا جزو ہے۔ صحابہ کے اجماع کے ساتھ اسے فاتحہ اور دوسری سورتوں کے شروع میں لکھا گیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورۂ توبہ کے سوا ہر سورت کا جزو ہے۔ ہر سورت کے ساتھ اس کا نازل ہونا صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک سورت کا دوسری سے الگ ہونا اس وقت تک نہیں پہچانتے تھے جب تک آپ پر "بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ" نازل نہیں ہوتی تھی۔ [أبو داوٗد، الصلاۃ، باب من جهر بها : ۷۸۸]

■ ❶ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ: حمد کا معنی کسی خوبی کی وجہ سے تعریف ہے۔ اس پر الف لام استغراق کا ہے جس سے مراد حمد کے تمام افراد ہیں، یعنی جو تعریف بھی ہے اللہ ہی کی ہے، نہ کسی دوسرے خود ساختہ معبود کی نہ کسی مخلوق کی، کیونکہ مخلوق میں اگر تعریف کے لائق کوئی خوبی ہے تو وہ اسی کی پیدا کردہ ہے۔

❷ لفظ "اللہ" چونکہ ذاتی نام ہے، اس لیے اس میں اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات آ جاتے ہیں، وہ ننانوے اسماء و صفات بھی جن کا ذکر حدیث میں ہے اور وہ بھی جو ان کے علاوہ ہیں، خواہ وہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھائے ہیں یا ان کا علم صرف اپنے پاس رکھا ہے۔ جس طرح محمد ﷺ سے مراد وہ ذات گرامی ہے جو نبی بھی ہے رسول بھی، شاہد، مبشر اور نذیر بھی، داعی الی اللہ اور سراج منیر بھی، ماحی اور عاقب بھی، خاتم النّبیین اور سید ولد آدم بھی، غرض اسم محمد ﷺ

(ذاتی نام) میں آپ کے تمام نام اور تمام صفات آ جاتی ہیں، اسی طرح لفظ ''اللہ'' علم (ذاتی نام) ہونے کی وجہ سے تمام اسماء و صفات کا جامع ہے، اس لیے اہل علم فرماتے ہیں کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" دعویٰ بھی ہے اور دلیل بھی، یعنی سب تعریف اللہ کے لیے ہے، کیونکہ وہ تمام صفاتِ کمال کا جامع ہے اور ہر صفت پر اس کی حمد لازم ہے۔

3 "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" میں کئی عموم ہیں اور ایک خصوص ہے۔ "اَلْحَمْدُ" میں الف لام استغراق کا ہونے کی وجہ سے کئی قسم کا عموم ہے اور "لِلّٰهِ" میں ایک خصوص ہے، وہ یہ کہ اس میں لام اختصاص کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر حمد اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ حمد کے عموم میں فاعل کا بھی عموم ہے کہ ہر حمد کرنے والا درحقیقت اللہ ہی کی تعریف کرتا ہے، خواہ وہ خود رب العالمین ہو یا انسان یا جن یا فرشتہ یا کوئی بھی مخلوق ہو۔ ایک مقام پر فرمایا: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ [بنی إسرائیل : ٤٤] ''جو بھی شے ہے اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔'' اسی طرح حمد کے عموم میں مکان (جگہ) کا بھی عموم ہے، یعنی وہ کسی بھی جگہ میں ہو، زمین میں ہو یا آسمان میں، یا ان کے درمیان ہو یا عرش پر، فرمایا: ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [الروم : ١٨] یعنی آسمانوں اور زمین میں اسی کی حمد ہے۔ اسی طرح زمان کا بھی عموم ہے، یعنی وہ حمد دن میں ہو یا رات میں، ماضی میں ہو یا حال میں یا مستقبل میں، دنیا میں ہو یا آخرت میں، سب کی سب اللہ کے لیے خاص ہے، فرمایا: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ﴾ [القصص : ٧٠] ''اور وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کے لیے دنیا اور آخرت میں سب تعریف ہے۔'' اس طرح "اَلْحَمْدُ" میں خود حمد کا بھی عموم ہے، یعنی وہ حمد کسی بھی لفظ کے ساتھ ہو یا کسی بھی زبان میں، بلند آواز سے ہو یا آہستہ، دل سے ہو یا زبان سے یا دوسرے اعضاء کے ساتھ، غرض تعریف کوئی بھی ہو صرف اکیلے اللہ کے لیے خاص ہے، کسی دوسرے میں کوئی خوبی یا قابلِ تعریف بات ہے تو وہ اس کی اپنی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہے، اس لیے اس کی وجہ سے اس کی تعریف بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے۔

4 بعض اہلِ علم نے قرآن مجید کے چار حصے کیے ہیں، ہر حصہ "اَلْحَمْدُ" سے شروع ہوتا ہے۔ پہلا حصہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''سورۂ فاتحہ'' سے شروع ہوتا ہے، دوسرا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ﴾ سورۂ انعام سے، تیسرا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ﴾ سورۂ کہف سے اور چوتھا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ سورۂ سبا سے۔

5 "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" ایسا مبارک کلمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا آغاز اس سے ہوتا ہے، نبی ﷺ ہر خطبہ کی ابتدا اس سے کرتے تھے۔ (مسلم : ٨٦٨/٤٥) کھانا کھانے کے بعد اور چھینک آنے پر اللہ کی حمد کرتے تھے۔ (بخاری : ٥٤٥٨، ٦٢٢٤) سوتے وقت بستر پر آ کر یہ دعا پڑھتے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَ آوَانَا، فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ» ''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں کھلایا اور ہمیں پلایا اور ہمیں کافی ہو گیا اور ہمیں ٹھکانا دیا، کیونکہ کتنے ہی لوگ ہیں جنھیں نہ کوئی کفایت کرنے والا ہے اور نہ کوئی ٹھکانا دینے والا۔'' [مسلم، الذکر والدعاء، باب

الدعاء عند النوم : ۲۷۱۵ ، عن أنس رضی اللہ عنہ] صبح اٹھتے وقت یہ دعا پڑھتے :((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ)) ''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔''

[بخاری، الدعوات، باب وضع الید تحت الخد الیمنی : ٦٣١٤ ، عن حذیفة رضی اللہ عنہ]

قیامت کے دن لوگ قبروں سے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے نکلیں گے، فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ ﴾ [بنی إسرائیل : ٥٢] ''جس دن وہ تمھیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے۔'' اور جنت میں داخل ہونے کے بعد اللہ کی حمد کریں گے، فرمایا: ﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ﴾ [الأعراف : ٤٤] ''اور وہ کہیں گے سب تعریف اللہ کی ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت دی اور ہم کبھی نہ تھے کہ ہدایت پاتے اگر یہ نہ ہوتا کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی۔'' اور جنت میں ان کی گفتگو کا اختتام بھی اسی پر ہوا کرے گا، فرمایا: ﴿ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [یونس : ۱۰] ''ان کی دعا ان (جنتوں) میں یہ ہوگی ''پاک ہے تو اے اللہ!'' اور ان کی آپس کی دعا ان میں سلام ہوگی اور ان کی دعا کا خاتمہ یہ ہوگا کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان خوش نصیبوں میں شامل فرمائے۔ (آمین)

6 کلمہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' ایک عظیم الشان حقیقت کا اظہار بھی ہے، کلمۂ شکر بھی اور بہترین مکمل دعا بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پاکیزگی نصف ایمان ہے اور ''الحمد للہ'' میزان کو بھر دیتا ہے۔'' [مسلم، الطھارة، باب فضل الوضوء : ۲۲۳ ، عن أبی مالك الأشعری رضی اللہ عنہ] تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر عبادت کا اصل مقصود اسے پکارنا اور اس سے مانگنا ہے، جیسا کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) ''پکارنا ہی عبادت ہے۔'' [ترمذی، الدعوات، باب منه ...... : ۳۳۷۲ ، و صححه الألبانی] انسان کی ہر عبادت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، غرض زندگی کا ہر لمحہ اس کے حکم کے مطابق غلام بن کر گزارنا اس سے مانگنے ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان میں سے بہترین صورت اس کی تعریف کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا ہے، اس پر وہ مزید نعمتوں سے نوازتا ہے، فرمایا: ﴿ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾ [إبراھیم : ۷] ''بے شک اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور ہی تمھیں زیادہ دوں گا۔'' اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) ''سب سے بہتر ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور سب سے بہتر دعا الحمد للہ ہے۔'' [ترمذی، الدعوات، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة : ۳۳۸۳ ، عن جابر رضی اللہ عنہ ۔ السلسلة الصحيحة : ۱٤۹۷] ایک عرب شاعر نے اپنے ممدوح کے متعلق کہا ہے ؎

اِذَا اَثْنٰى عَلَيْكَ الْمَرْءُ يَوْمًا   كَفَاهُ مِنْ تَعَرُّضِهِ الثَّنَاءُ

''جب کوئی شخص کسی دن تمھاری تعریف کرتا ہے تو اسے اس کے سوال کرنے سے تعریف ہی کافی ہو جاتی ہے۔''

جب ایک سخی شخص جو مخلوق ہے، صرف تعریف سن کر نواز دیتا ہے، صاف لفظوں میں سوال کا انتظار نہیں کرتا تو رب العالمین جو جواد بھی ہے، ماجد بھی، اپنی حمد پر کیوں نہیں نوازے گا۔ خصوصاً جب اس سے بڑھ کر اپنی تعریف سن کر خوش ہونے والا کوئی

نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا کوئی نہیں جسے اللہ سے زیادہ (اپنی) تعریف پسند ہو، اس لیے اس نے خود اپنی تعریف کی ہے۔'' [بخاری، التفسیر، باب قول اللہ عزوجل : ﴿ قل إنما حرم ربی الفواحش...... ﴾ : ٤٦٣٧، عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ]

7 **رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**: ''**رَبِّ**'' کا معنی ہے سردار جس کی اطاعت ہوتی ہو اور مالک اور پرورش کرنے والا۔ یہ '' رَبَّ يَرُبُّ (ن) '' (پرورش کرنا) میں سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے، یا مصدر ہے جو مبالغہ کے لیے اسم فاعل کی جگہ استعمال ہوا ہے، جیسے ''زَيْدٌ عَدْلٌ'' ''زَيْدٌ عَادِلٌ'' کی جگہ استعمال ہوتا ہے، یعنی زید اتنا عادل ہے کہ اس کا وجود ہی عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ میں یہ تینوں صفات بدرجۂ اتم موجود ہیں، اس سے بڑا سید کوئی نہیں، وہی سب کا مالک ہے اور ہر ایک کو پیدائش سے کمال تک پہنچانے والا اور اس کی ہر ضرورت پوری کرنے والا بھی وہی ہے، گویا وہ ذات پاک سراپا پرورش ہے۔

8 ''**الْعٰلَمِيْنَ**'' ''اَلْعَالَمُ'' کی جمع ہے، جہان۔ ''اَلْعَالَمُ'' جمع ہے جس کا واحد نہیں، جیسے ''قَوْمٌ، رَهْطٌ، نَاسٌ'' وغیرہ۔ معنی اس کا ہے: '' مَا يُعْلَمُ بِهِ الشَّيْءُ'' جس کے ذریعے سے کسی چیز کا علم حاصل ہو، جیسا کہ ''خَاتَمٌ'' کا معنی ہے: ''مَا يُخْتَمُ بِهِ'' جس کے ساتھ مہر لگائی جائے۔ عرب یہ وزن آلہ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جہان کو عالم اس لیے کہتے ہیں کہ کوئی بھی مخلوق ہو، اس کے ذریعے سے خالق کا علم حاصل ہوتا ہے کہ اسے پیدا کرنے والا موجود ہے۔ ''**الْعٰلَمِيْنَ**'' کو جمع اس لیے ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق ایک الگ جہان ہے، مثلاً عالم انس، عالم جن، عالم نبات، عالم جماد، عالم ارض اور عالم سماء وغیرہ۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے کئی عالم ہیں، مثلاً انسانوں میں ہر جنس، ہر زبان اور ہر علاقے والوں کا الگ جہان ہے۔ غرض اتنے بے حساب جہان ہیں جنھیں رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، فرمایا: ﴿ **وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ** ﴾ [المدثر : ۳۱] ''اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' ایک چیونٹی ہی کی ہزاروں قسمیں ہیں، پرندوں کے بے شمار جہان ہیں، سمندر کی مخلوقات کا شمار ہی نہیں، بے شمار کہکشائیں اور ان کے سیارے جن کے مقابلے میں سورج چاند وغیرہ ایک انگوٹھی کی طرح ہیں، ہر ایک الگ جہان ہے۔ ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے وحدہ لا شریک لہ ہونے کے علم کا ذریعہ ہے۔ رب العالمین ان میں سے ہر ایک کو پیدا کرنے والا، پھر ہر لمحہ اس کی ہر ضرورت پوری کرنے والا اور اسے کمال تک پہنچانے والا ہے۔ غرض سب تعریف اللہ کے لیے ہے، کیونکہ وہ ''**رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**'' ہے۔

9 ''**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ**'' کے بعد اللہ تعالیٰ کی چار صفات بیان ہوئی ہیں، پہلی صفت ''**رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**'' میں قرآن کے بنیادی مضامین میں سے توحید کے علاوہ وعدہ اور وعید دونوں موجود ہیں کہ پرورش کرنے والا خوش ہو کر نوازتا ہے تو ناراض ہو کر محروم بھی کر دیا کرتا ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ

بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے ○

① **الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** : یہ دوسری اور تیسری صفت ہے۔ جب سارے جہانوں کی ربوبیت کا ذکر ہوا تو ساتھ ہی اللہ کی بے حد و حساب رحمت کا ذکر ہوا، کیونکہ رحمت کے بغیر ربوبیت ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ دونوں رحم میں سے مبالغے کے صیغے ہیں۔ معنی دونوں کا بہت زیادہ رحم والا ہے، مگر اس پر اتفاق ہے کہ "**الرَّحْمٰنِ**" میں مبالغہ زیادہ ہے، کیونکہ اس کے حروف "**الرَّحِيْمِ**" سے زیادہ ہیں (اور حروف کی زیادتی سے معنی میں زیادتی ظاہر ہوتی ہے) اور اس لیے بھی کہ لفظ "اللہ" کی طرح "رحمان" بھی صرف باری تعالیٰ کے لیے بولا جاتا ہے، جب کہ "رحیم" بعض اوقات مخلوق پر بھی آ جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرمایا: ﴿ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [التوبة : ۱۲۸] "مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔" اللہ تعالیٰ نے یہاں رحم میں مبالغے کا اظہار کرنے کے لیے دو لفظ کیوں ذکر فرمائے؟ بعض اہل علم نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ تاکید کے لیے ہے، مگر اکثر علماء ایک مادے (رحم) سے مشتق ہونے کے باوجود ان دونوں کے درمیان فرق مانتے ہیں۔ اکثر مفسرین نے فرمایا کہ "**الرَّحْمٰنِ**" کا معنی بڑی بڑی نعمتیں عطا کرنے والا اور "**الرَّحِيْمِ**" کا معنی دقیق اور باریک نعمتوں سے نوازنے والا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ رحمان وہ ہے جس کی رحمت سب کے لیے عام ہے، مسلم ہوں یا کافر، جب کہ رحیم وہ ہے جو خاص طور پر مومنوں کو رحمت سے نوازنے والا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ رحمان وہ ہے جس کی رحمت دنیا میں مسلم و کافر سب کے لیے اور آخرت میں صرف مسلمانوں کے لیے ہے اور رحیم وہ جو آخرت میں خاص مسلمانوں پر رحم کرنے والا ہے۔ مگر ان تینوں اقوال کی پختہ دلیل، جس پر اعتراض نہ ہو، مجھے معلوم نہیں ہو سکی۔ مفسر قاسمی نے شیخ محمد عبدہ مصری رحمہ اللہ سے ایک مدلل و مضبوط فرق نقل کیا ہے، میں اسے تھوڑی سی وضاحت اور اضافے سے نقل کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ رحمان "فَعْلَانُ" کے وزن پر ہے، جو معنی کی کثرت پر دلالت کرتا ہے، مثلاً "عَطْشَانُ" بہت زیادہ پیاسا، "غَرْثَانُ" بہت زیادہ بھوکا اور "غَضْبَانُ" غصے سے بھرا ہوا۔ اس وزن میں معنی کی کثرت تو ہوتی ہے مگر ضروری نہیں کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے، بلکہ وہ ختم بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام طور سے لوٹے تو "غَضْبَانُ" (غصے سے بھرے ہوئے) تھے، مگر ہارون علیہ السلام کا عذر سن کر غصہ ختم ہو گیا، بلکہ ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ گویا رحمان کا معنی وہ ذات ہے جس میں بہت ہی زیادہ رحمت ہے، جو بے حد و بے حساب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق پیدا فرمائی تو اس کتاب میں لکھ دیا جو اس کے پاس عرش پر ہے کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔" [بخاری، التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ : ﴿ ویحذرکم اللہ نفسہ ﴾ : ۷۴۰۴، عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ] "فَعِيْلٌ" کا وزن کسی چیز میں مفہوم کے لزوم، دوام اور ہمیشگی کے لیے آتا ہے، وہ صفت اس

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۝

بدلے کے دن کا مالک ہے ○

سے جدا نہیں ہو سکتی، مثلاً علیم، حلیم، عظیم، خبیر، بصیر، سمیع، رؤف اور رحیم۔ یعنی وہ ذات جس کی رحمت دائمی ہے، کبھی اس سے جدا نہیں ہوتی۔ دونوں صفتوں کے ملنے سے صفت رحمت کی وسعت بھی ثابت ہوئی اور اس کا دوام بھی۔ اگر اس کی رحمت میں وسعت و کثرت نہ ہو تو بعض مخلوق محروم رہ جائے اور اگر اس میں دوام نہ ہو تو کوئی چیز نہ پایۂ تکمیل تک پہنچے، نہ باقی رہ سکے۔

❷ قرآن مجید میں ثنائے الٰہی پر مشتمل تمام آیات "الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کی تفصیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان نماز کی تقسیم والی حدیث قدسی کے مطابق بندہ جب "الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندے نے میری ثنا کی۔'' [مسلم، الصلوة، وجوب قراءة الفاتحة ...... : ۳۹۵]

❶ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ: "الدِّيْنِ" "دَانَ يَدِيْنُ" کا مصدر ہے، بدلہ دینا، جزا دینا۔ رحمٰن و رحیم کے بعد جزا کے دن کا مالک ہونے کی صفت بیان فرمائی۔ ایک قراءت ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ ہے یعنی روزِ جزا کا مالک اور دوسری "مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" ہے، یعنی روز جزا کا بادشاہ۔ قرآن مجید کے رسم الخط میں "مٰلِكِ" لکھا ہے، اسے "مَالِكِ" اور "مَلِكِ" دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے اور دونوں قراءتیں متواتر طور پر رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کا مالک بھی ہے اور بادشاہ بھی۔ "الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کے ساتھ قیامت کے دن کے مالک اور بادشاہ ہونے کی مناسبت یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی بہت رحم کرنے والا ہوتا ہے مگر اس کی ملکیت میں کچھ نہیں ہوتا، اس لیے وہ چاہتے ہوئے بھی رحم نہیں کر سکتا، پھر کوئی شخص بہت سی ملکیت کا مالک ہوتا ہے مگر اس کا بادشاہ کوئی اور ہوتا ہے، وہ مالک ہوتے ہوئے بھی پورا اختیار نہیں رکھتا۔ "يَوْمِ الدِّيْنِ" کے معنی یوم جزا کے ہیں۔ اس دنیا میں بھی مکافات، یعنی اعمال کی جزا کا سلسلہ جاری رہتا ہے، مگر اس جزا کا مکمل ظہور چونکہ قیامت کے دن ہوگا اس لیے قیامت کے دن کو خاص طور پر "يَوْمِ الدِّيْنِ" (بدلے کا دن) کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس دن کے "مَالِكِ" اور "مَلِكِ" (بادشاہ) ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس روز ظاہری طور پر بھی مالکیت اور ملوکیت کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا، فرمایا: ﴿ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ﴾ [الانفطار: ۱۹] ''جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے کسی چیز کی مالک نہیں ہوگی اور اس دن حکم صرف اللہ کا ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ [المؤمن: ۱٦] ''آج بادشاہی کس کی ہے؟ اللہ ہی کی جو ایک ہے، دبدبے والا ہے۔'' اس دن مالک بھی اللہ تعالیٰ ہوگا، بادشاہ بھی وہی ہوگا، صرف اسی کا حکم چلے گا۔ صفت رحمت اور

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں ○

بدلے کے دن کی ملکیت میں مناسبت اس حدیث سے واضح ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے پاس سو رحمتیں ہیں، جن میں سے اس نے ایک رحمت جن و انس، جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کے درمیان نازل فرمائی ہے، اسی کے ساتھ وہ ایک دوسرے پر شفقت کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ننانویں رحمتیں مؤخر کر رکھی ہیں، جن کے ساتھ وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔'' [مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى...... : ۲۷۵۲/۱۹۔ بخاري : ۶۰۰۰، عن أبي هريرة رضي الله عنه]

2 تقسیم صلاۃ والی حدیث قدسی کے مطابق بندہ جب ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ((مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ)) ''میرے بندے نے میری تمجید (بزرگی بیان) کی۔'' ایک روایت کے مطابق فرماتا ہے: ((فَوَّضَ اِلَيَّ عَبْدِيْ)) ''میرے بندے نے اپنا سب کچھ میرے سپرد کر دیا۔'' [مسلم، الصلوة، باب وجوب قراءة الفاتحة ...... : ۳۹۵]
قرآن مجید میں تمجیدِ الٰہی اور تفویض و توکل پر مشتمل تمام آیات ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کی تفصیل ہیں۔

1 **اِيَّاكَ نَعْبُدُ**: سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد غائب کے صیغے کے ساتھ کی گئی ہے، ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' اور اس کے بعد کی آیات میں اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر لیا گیا ہے، اسے التفات کہتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اسے اس کا قرب اور اس کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہو جاتا ہے، اب وہ براہِ راست خطاب کے صیغے سے اپنی درخواست پیش کرتا ہے۔

2 عربی زبان میں جملہ فعلیہ کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے فعل، پھر فاعل اور اس کے بعد مفعول ہوتا ہے۔ اگر بعد والے لفظ کو پہلے لایا جائے تو اس سے کلام میں تخصیص یا حصر پیدا ہو جاتا ہے۔ ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' اصل میں ''نَعْبُدُكَ'' (ہم تیری عبادت کرتے ہیں) تھا۔ مفعول ''کاف ضمیر'' کو ''نَعْبُدُ'' سے پہلے لایا گیا تو ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' ہو گیا، جس سے کلام میں حصر پیدا ہو گیا، یعنی ہم تیری عبادت کرتے ہیں، کسی اور کی نہیں کرتے۔ اس مفہوم کو ''ہم صرف تیری عبادت'' یا ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں'' کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ یہ بعینہٖ ''لا الٰہ الا اللہ'' کا مفہوم ہے، یعنی عبادت کے لائق اللہ تعالیٰ ہی ہے، دوسرا کوئی نہیں۔

3 عبادت کا معنی کسی کو غیبی طاقتوں کا مالک سمجھ کر اس سے انتہائی درجے کی محبت کے ساتھ اس کے سامنے انتہائی درجے کی عاجزی، ذلت اور خوف ہے۔ یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اسلام نے بندوں کو ایسی ہر غلامی سے آزادی دلا کر صرف

ایک ذات پاک کا بندہ اور عبد بنا دیا جو انھیں پیدا کرنے والی اور ان کی پرورش کرنے والی ہے۔ عبادت صرف اس کی ہے، اس کے ساتھ کسی کو نہ شریک کرنا جائز ہے نہ اس کی محبت جیسی محبت یا اس کے خوف جیسا خوف کسی سے جائز ہے۔ افسوس کہ بعض مسلمان اللہ کے گھر میں داخل ہوتے یا نکلتے وقت اتنے خوف زدہ اور لرزہ براندام نہیں ہوتے جتنے وہ کسی قبر پر یا کسی پیر کے پاس جاتے یا واپس آتے وقت ہوتے ہیں۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" کے عہد و اقرار کے بعد کسی دوسرے کی بندگی اللہ تعالیٰ سے سب سے بڑی غداری ہے، جسے وہ کبھی معاف نہیں فرمائے گا۔ دیکھیے سورۂ نساء (۱۱۶) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تین جگہ فرمایا کہ ان لوگوں نے اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسے اس کی قدر کا حق ہے۔ دیکھیے سورۂ انعام (۹۱)، حج (۷۴) اور زمر (۶۷)۔

④ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ: "نَسْتَعِيْنُ" "عَوْنٌ" میں سے باب استفعال فعل مضارع جمع متکلم کا صیغہ ہے، جو اصل میں "نَسْتَعْوِنُ" تھا۔ اس میں بھی "اِيَّاكَ" پہلے آنے کی وجہ سے حصر ہے، یعنی ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں، کسی دوسرے سے نہیں۔ یہاں سے بندے کی درخواست شروع ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق قبول ہو چکی۔

⑤ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" کو پہلے اور "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کو بعد میں ذکر کر کے دعا کا سلیقہ سکھایا گیا ہے کہ درخواست سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا اور تمجید کے بعد اپنی بندگی اور اپنے تعلق کا حوالہ پیش کرو، یعنی اپنے عمل کے وسیلے سے درخواست کرو۔ یہ وسیلہ حق ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ [آل عمران: ۱۹۳] "اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک آواز دینے والے کو سنا، جو ایمان کے لیے آواز دے رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! پس ہمیں ہمارے گناہ بخش دے اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ فوت کر۔" صحیح بخاری (۳۴۶۵) میں غار میں پھنسنے والے تین آدمیوں کا قصہ بھی اس کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص سے کیے ہوئے اعمال کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے۔ البتہ کسی شخص کا نام لے کر اس کی ذات یا اس کی حرمت وغیرہ کے وسیلے سے دعا کرنا کتاب و سنت سے ثابت نہیں، مثلاً یہ کہنا کہ یا اللہ! فلاں کے وسیلے یا طفیل یا واسطے سے یا بحرمتِ فلاں میری دعا قبول کر۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ بقرہ (۳۷) ﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ﴾ کی تفسیر۔

⑥ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" کے بعد "وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" لانے میں یہ سبق بھی ہے کہ آدمی یقین رکھے کہ وہ کوئی بھی نیکی اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہیں کر سکتا اور مکمل طور پر اللہ کے سامنے بے بس اور بے اختیار ہونے کا عقیدہ رکھے اور اس کا اظہار و اقرار بھی کرے۔ یعنی ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور تیری عبادت میں اور اپنے تمام کاموں میں تیری ہی مدد مانگتے ہیں، تیری مدد کے بغیر نہ ہم تیری عبادت کر سکتے ہیں نہ کچھ اور۔ اس لفظ میں اللہ پر توکل اور اپنے تمام کام اس کے سپرد کرنے کی اعلیٰ ترین تعلیم دی گئی ہے۔ بعض سلف نے فرمایا، فاتحہ قرآن کا خلاصہ ہے اور ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾

فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ کیونکہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" کہنے سے انسان شرک سے بری ہو جاتا ہے اور "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کہنے سے وہ اپنی قوت و طاقت اور اختیار سے خالی ہو کر صرف اللہ پر توکل و اعتماد کا اقرار و اظہار کرتا ہے۔

⑦ اس استعانت سے مراد ان کاموں میں مدد طلب کرنا ہے جن کا اختیار اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے پاس رکھا ہے، کسی مخلوق کو ان کا اختیار نہیں دیا، مثلاً معالج دوا دے سکتا ہے مگر شفا صرف اللہ کے پاس ہے۔ کوئی صاحب خیر کچھ روپے پیسے دے سکتا ہے مگر غنی یا فقیر کر دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ طبیب علاج کر سکتا ہے مگر اولاد سے نوازنا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ فوج، آدمیوں اور اسلحے سے ایک دوسرے کی مدد ہو سکتی ہے مگر فتح و شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ غرض دنیا کے ظاہری اسباب و وسائل جو انسانوں کو عطا کیے گئے ہیں، ان میں ایک دوسرے سے مدد مانگنا بھی جائز ہے اور ایک دوسرے کی مدد کرنا بھی لازم ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ [المائدۃ : ۲] "نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔" افسوس کہ بعض لوگ ان ہستیوں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں جو سنتے ہی نہیں، نہ پاس موجود ہوتے ہیں اور ایسی چیزوں کی مدد مانگتے ہیں جو اگر وہ زندہ ہوں یا سن رہے ہوں تب بھی ان کے اختیار میں نہیں۔ کتنا ظلم ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" (صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں) کا اقرار کرتے ہیں، پھر غیر اللہ سے مدد مانگتے ہیں، مثلاً "يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَغِثْنِيْ" (اے اللہ کے رسول! میری مدد کیجیے) یا اے مولا علی، اے شیر خدا! میری کشتی پار لگا دینا، یا المدد یا غوث اعظم، یا مدد کن یا معین الدین چشتی۔ غرض صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کے عہد و اقرار کے بعد غیروں کو رب تعالیٰ کا شریک بنا کر انھیں رب کے اختیارات کا مالک سمجھتے ہیں اور ان سے استغاثہ و استعانت کرتے ہیں۔

⑧ یہاں ایک سوال ہے کہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" سے آخر فاتحہ تک دعا کرنے والا جمع کے صیغے سے دعا کرتا ہے، جب کہ دعا کرنے والا ایک ہے، اس لیے واحد کا صیغہ ہونا چاہیے تھا، اگر جمع کا لفظ تعظیم کے لیے مانا جائے تو یہ دعا کے مناسب نہیں ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ بندہ اپنی انتہائی تواضع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عالی بارگاہ میں اپنی درخواست اکیلا پیش کرنے کی جرأت نہیں کرتا، بلکہ تمام عبادت کرنے والے جن و انس اور فرشتوں کے ساتھ مل کر پیش کرتا ہے کہ ہم سب (جن میں تیرا یہ عاجز بندہ بھی ہے) تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

بعض اہل علم نے یہ حکمت بیان فرمائی کہ جمع کے صیغے میں ایک لطیف تواضع پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ واحد کے صیغے میں اپنی کچھ بڑائی کا اظہار ہوتا ہے جو جمع کے صیغے میں نہیں ہے۔ (ابن کثیر) بعض مفسرین نے اس میں یہ حکمت بیان فرمائی کہ ہر مومن دوسرے مومنوں کے ساتھ ایک جسم کی مانند ہے اور ہر مومن تمام مومنوں کی نمائندگی کرتا ہے، اس لیے وہ اکیلا ہی تمام مسلمانوں کی طرف سے عرض کرتا ہے کہ ہم سب صرف تیری تعریف کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « اَلْمُؤْمِنُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاءُ هُمْ وَ يَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ وَ هُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ » "ایمان والے لوگ، ان کے خون آپس میں برابر ہوتے ہیں، ان کا سب سے معمولی آدمی بھی ان کے عہد کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ

ہمیں سیدھے راستے پر چلا ○

وہ اپنے سوا سب کے مقابلے میں ایک ہاتھ ہوتے ہیں۔'' [أبوداوٗد، الديات، باب أيقاد المسلم من الكافر؟ : ٤٥٣٠، وقال الألباني حسن صحيح]

⑨ ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ عبادت و استعانت کی بہترین صورت اجتماعی عبادت و استعانت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی جامع صورت نماز کو باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا: ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ [البقرة : ٤٣] ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

⑩ ''اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' میں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس کام کے لیے مدد مانگتے ہیں، تاکہ وہ عام رہے، مقصد یہ ہے کہ ہر کام میں تیری مدد مانگتے ہیں۔

① اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ : ہدایت کا ایک معنی نرمی اور مہربانی کے ساتھ راستہ بتانا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ [الشوریٰ : ٥٢] ''اور بے شک تو یقیناً سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔'' یہ ہدایت اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دوسرے لوگ سبھی کر سکتے ہیں۔ ہدایت کا دوسرا معنی راستے پر چلنے کی توفیق دینا ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مخاطب کر کے فرمایا: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [القصص : ٥٦] ''بے شک تو ہدایت نہیں دیتا جسے تو دوست رکھے اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔'' ''الصِّرَاطَ'' اس کا اصل ''سِرَاطٌ'' ہے، جو ''سَرَطَ يَسْرُطُ سَرْطًا، سَرَطَانًا (ن، ع)'' سے مشتق ہے، سین کو صاد سے بدل دیا گیا، اس کا معنی نگلنا ہے۔ ''سِرَاطٌ'' کا معنی واضح راستہ ہے، کیونکہ اس پر چلنے والا اس طرح غائب ہو جاتا ہے جیسے نگلا ہوا کھانا غائب ہو جاتا ہے۔ (القاموس) ''الْمُسْتَقِيْمَ'' ''قَامَ يَقُوْمُ'' میں سے باب استفعال سے اسم فاعل ہے، جو اصل میں ''مُسْتَقْوِمٌ'' ہے، معنی اس کا وہی ہے جو ''قَامَ يَقُوْمُ'' کا ہے۔ حروف کی زیادتی سے معنی میں تاکید پیدا ہو گئی، بالکل سیدھا راستہ۔

② پچھلی آیت میں ''اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' سے سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا مدد چاہتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے جواب یہ سکھایا کہ کہو پروردگارا! ہمیں زندگی کے ہر لمحے میں اور اپنے ہر کام میں تیری ہدایت کی ضرورت ہے، کیونکہ اگر تو نہ بتائے تو ہم ظلوم و جہول کسی چیز کے متعلق جان ہی نہیں سکتے کہ اس میں صحیح راستہ کیا ہے۔ اگر جان بھی لیں تو اپنے نفس کی کمزوریوں، شہوت، غضب، حسد، طمع، بخل اور کبر وغیرہ کی وجہ سے اور شیطان اور دوسرے دشمنوں کی وجہ سے اس صحیح راستے پر چلنا اور قائم رہنا تیری توفیق کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے ہماری درخواست ہے کہ ہر کام اور ہر لمحے میں ہمیں سیدھے راستے کو

جاننے کی اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

3 بعض لوگ یہاں ایک سوال ذکر کرتے ہیں کہ جب ہم پہلے ہی ہدایت پر ہیں تو پھر ہدایت کی درخواست کا کیا مطلب؟ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ ہمیں ہدایت پر قائم رکھ۔ یہ مطلب بھی درست ہے، مگر آپ خود سوچ لیں کہ انسان کو ہر لمحے کسی نہ کسی کام کے متعلق فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ مجھے اس میں کیا کرنا ہے، تھوڑی سی لغزش اسے بہت دور پہنچا سکتی ہے، اس لیے یہ کہنا کہ ہم ہر وقت اور ہر کام میں ہدایت پر ہیں، بہت بڑی دلیری کی بات ہے۔ اس لیے یہ حقیقت تسلیم کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر ہم کسی بھی قدم پر گمراہی کا شکار ہو سکتے ہیں، ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگتے رہنا لازم ہے۔

4 "الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" سے مراد دین اسلام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تک اور جنت تک پہنچانے والا یہی واضح، صاف اور سیدھا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی صراحت فرمائی: ﴿قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [الأنعام : ١٦١ تا ١٦٣] "کہہ دے بے شک مجھے تو میرے رب نے سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کر دی ہے جو مضبوط دین ہے، ابراہیم کی ملت، جو ایک ہی طرف کا تھا اور مشرکوں سے نہ تھا۔ کہہ دے بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمین (حکم ماننے والوں) میں سب سے پہلا ہوں۔" نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم (سیدھے راستے) کی مثال بیان فرمائی۔ اس راستے کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں جن میں کھلے ہوئے دروازے ہیں۔ ان دروازوں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں اور اس راستے کے دروازے پر ایک بلانے والا ہے جو کہتا ہے: "اے لوگو! تم سب اس راستے میں داخل ہو جاؤ اور ٹیڑھے مت ہونا۔" اور ایک بلانے والا اس راستے کے اوپر کنارے سے آواز دے رہا ہے۔ جب کوئی انسان ان دروازوں میں سے کسی کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے: "افسوس تجھ پر! اسے مت کھول، کیونکہ اگر تو اسے کھولے گا تو اس میں داخل ہو جائے گا۔" سو "الصِّرَاطَ" (وہ راستہ) اسلام ہے اور دونوں دیواریں اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں اور کھلے دروازے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور راستے کے شروع میں بلانے والی چیز اللہ کی کتاب ہے اور راستے کے اوپر کنارے والا اللہ تعالیٰ کا نصیحت کرنے والا ہے جو ہر مسلم کے دل میں ہے۔" [مسند أحمد : ١٨٢/٤، ١٨٣، ح : ١٧٦٥٢۔ ترمذی : ٢٨٥٩، قال ابن كثير حسن صحيح و صححه الألباني والسيوطي] معلوم ہوا صراط مستقیم اسلام ہے جو ہمارے پاس کتاب و سنت کی صورت میں موجود ہے، اس لیے جب کوئی کتاب و سنت سے ہٹ کر کسی شخصیت یا گروہ کے پیچھے لگتا ہے تو وہ صراط مستقیم سے ہٹ جاتا ہے، پھر

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ ع

ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں ○

اس کے لیے منزل مقصود جنت تک پہنچنا کسی صورت ممکن نہیں، جب تک ان تمام ٹیڑھی راہوں سے ہٹ کر کتاب وسنت کی واضح، کشادہ، روشن اور سیدھی راہ پر نہیں آتا۔

⑤ "الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" میں پورا اسلام اور اس کے احکام آ گئے، باقی قرآن وسنت اس کی تفصیل ہے۔

① صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ: یعنی جن لوگوں پر تو نے دوسرے بے شمار انعامات کے ساتھ اپنی اطاعت کی توفیق کا خاص انعام کیا، ان سے مراد چار قسم کے لوگ ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے، فرمایا: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ [النساء : ٦٩] ''اور جو کوئی اللہ اور رسول کی فرماں برداری کرے تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین میں سے۔'' قرآن مجید میں مذکور انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے تمام واقعات اس مختصر جملے کی تفصیل ہیں۔

② غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ: قرآن مجید میں "الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" یہود کو کہا گیا ہے، چنانچہ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ [البقرة : ٦١] ''اور ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کی طرف سے بھاری غضب لے کر لوٹے۔'' اور فرمایا: ﴿فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ﴾ [البقرة : ٩٠] ''پس وہ غضب پر غضب لے کر لوٹے۔'' اور فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ [المائدة : ٦٠] ''کہہ دے کیا میں تمھیں اللہ کے نزدیک جزا کے اعتبار سے اس سے زیادہ برے لوگ بتاؤں؟ وہ جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر وہ غصے ہوا اور جن میں سے اس نے بندر اور خنزیر بنا دیے اور جنھوں نے طاغوت کی عبادت کی۔ یہ لوگ درجے میں سب سے برے اور سیدھے راستے سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔''

اور "الضَّآلِّيْنَ" نصاریٰ کو کہا گیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ [المائدة : ٧٧] ''اور اس قوم کی خواہشوں کے پیچھے مت چلو جو اس سے پہلے گمراہ ہو چکے اور انھوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔'' اس آیت سے پہلے مسلسل نصاریٰ کا ذکر آ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی "الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" اور "الضَّآلِّيْنَ" کی یہی تفسیر فرمائی۔ چنانچہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْيَهُوْدُ مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِمْ وَ النَّصَارٰى ضُلَّالٌ» ''یہود "مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِمْ" ہیں اور نصاریٰ گمراہ ہیں۔''

[ترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة فاتحة الكتاب : ٢٩٥٤، و صححه الألبانی]

③ رسول اللہ ﷺ کی تفسیر سے ثابت ہو گیا کہ "الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" یہود ہیں اور "الضَّآلِّيْنَ" نصاریٰ، مگر لفظ عام ہونے کی وجہ سے اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جن میں وہ عادات و خصائل پائے جاتے ہیں جو یہود کے "الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" بننے کا باعث ٹھہرے، یا جن کی وجہ سے نصاریٰ "الضَّآلِّيْنَ" (گمراہ) ٹھہرے۔ مثلاً یہود پر غضب نازل ہونے کے اسباب جو اللہ تعالیٰ نے شمار فرمائے ہیں اختصار کے ساتھ یہ ہیں، اللہ کی کتاب میں تحریف، اللہ کی آیات کو چھپانا، اللہ کی حدود مثلاً رجم اور ہاتھ کاٹنے کو معطل کرنا، اللہ پر جھوٹ باندھنا، اپنے پاس سے مسائل بیان کر کے انھیں اللہ کا حکم قرار دینا، نبی ﷺ پر حسد کی وجہ سے ایمان نہ لانا اور باہمی ضد کی وجہ سے بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ جانا۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: " وَ بِالْجُمْلَةِ فَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَرٰى نَمُوْذَجَ الْيَهُوْدِ فَانْظُرْ اِلٰى عُلَمَاءِ السُّوْءِ مِنَ الَّذِيْنَ يَطْلُبُوْنَ الدُّنْيَا وَ قَدِ اعْتَادُوْا تَقْلِيْدَ السَّلَفِ وَ اَعْرَضُوْا عَنْ نُّصُوْصِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَ تَمَسَّكُوْا بِتَعَمُّقِ عَالِمٍ وَ تَشَدُّدِهٖ وَ اسْتِحْسَانِهٖ فَاَعْرَضُوْا عَنْ كَلَامِ الشَّارِعِ الْمَعْصُوْمِ وَ تَمَسَّكُوْا بِاَحَادِيْثَ مَوْضُوْعَةٍ وَ تَاْوِيْلَاتٍ فَاسِدَةٍ كَانَتْ سَبَبَ هَلَاكِهِمْ " "قصہ مختصر اگر تم چاہو کہ یہود کا نمونہ دیکھو تو ان علمائے سوء کو دیکھ لو جو دنیا طلب کر رہے ہیں اور پہلے لوگوں کی تقلید کے عادی ہو چکے ہیں، جنھوں نے کتاب وسنت کی صریح آیات واحادیث سے منہ موڑ لیا اور کسی عالم کے تکلف، اس کے تشدد اور اس کے استحسان کو مضبوطی سے پکڑ لیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے معصوم پیغمبر ﷺ کے کلام سے منہ موڑ لیا اور من گھڑت احادیث اور فاسد تاویلات سے چمٹ گئے، جو ان کی ہلاکت کا باعث بن گئیں۔" (الفوز الکبیر)

اور نصاریٰ کی گمراہی کے اسباب یہ تھے، مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلو، ان کو عین خدا یا تین میں سے ایک خدا کہنا، مریم علیہا السلام کو تین میں سے ایک خدا کہنا، مسیح علیہ السلام، مریم علیہا السلام اور صلیب کی پوجا کرنا، قبروں کو مسجدیں بنانا، احبار و رہبان کو رب بنانا وغیرہ۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَرٰى نَمُوْذَجًا لِهٰذَا الْفَرِيْقِ فَانْظُرِ الْيَوْمَ اِلٰى اَوْلَادِ الْمَشَائِخِ الْاَوْلِيَاءِ مَاذَا يَظُنُّوْنَ بِاٰبَائِهِمْ؟ فَتَجِدُهُمْ قَدْ اَفْرَطُوْا فِيْ اِجْلَالِهِمْ كُلَّ الْاِفْرَاطِ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ " "اگر چاہو کہ اس گروہ کا نمونہ دیکھو تو بزرگ اولیاء کی آج کل کی اولاد کو دیکھ لو کہ وہ اپنے باپ دادا کے متعلق کیا گمان رکھتے ہیں، چنانچہ تم انھیں پاؤ گے کہ وہ ان کی بزرگی بیان کرتے ہیں، جتنا مبالغہ ہو سکے کرتے ہیں اور عنقریب وہ لوگ جان لیں گے جنھوں نے ظلم کیا کہ وہ لوٹنے کی کون سی جگہ لوٹ کر جائیں گے۔" (الفوز الکبیر)

④ "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" کا ترجمہ عام طور پر کیا جاتا ہے: "نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا" مگر حقیقت یہ ہے کہ "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" میں لفظ "غَيْرِ" پچھلی آیت میں "الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" سے بدل یا اس کی صفت ہے، یعنی "الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" اور "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" دونوں ایک ہی لوگ ہیں، اس لیے ترجمہ یہ ہوگا: "ہمیں سیدھے راستے پر چلا، ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں۔"

⑤ یہاں ایک سوال ہے کہ کیا "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کافی نہ تھا، پھر اس کے بعد "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا

الضَّآلِّيْنَ "لانے میں کیا حکمت ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انعام تو اس کی ہر مخلوق پر بے شمار ہے، کم از کم اسے پیدا کرنا اور اس کی زندگی کی ہر ضرورت پوری کرنا ہی بہت بڑی نعمت ہے، اس لیے یہ تعلیم دی کہ ان لوگوں کے راستے پر چلنے کی دعا کرو جن پر اللہ نے انعام کیا، مگر وہ غضب کا نشانہ نہیں بنے، نہ ہی وہ گمراہ ہیں، ایسے لوگ وہ چار گروہ ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔

⑥ "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" میں انعام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے، جب کہ غضب اور ضلال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ادب کی تعلیم ہے کہ اگرچہ خیر و شر دونوں کا خالق وہ ہے مگر شر کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جاتی، کیونکہ اس کا ہر فعل خیر ہی خیر ہے۔ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن جب سب لوگ ایک میدان میں کھڑے ہوں گے تو رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کو پکاریں گے: ﴿ لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ ﴾ [مستدرك حاكم، تفسير سورة بني إسرائيل : ۲/ ۳۶۳، ح : ۳۳۸٤] "بار بار حاضر ہوں اور بار بار حاضر ہوں، خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف نہیں ہے۔" اسے حاکم نے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔ سورۂ کہف میں خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو کشتی توڑنے اور دوسرے دو واقعات کی اصل حقیقت بیان کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے اس ادب کا خاص خیال رکھا ہے، ملاحظہ فرمائیں سورۂ کہف (۷۹ تا ۸۲) کی تفسیر۔

⑦ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد "آمین" کہنا چاہیے، اس کا معنی اے اللہ! قبول فرما، یا ایسے ہی کر دے ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید کا حصہ نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اسے قرآن مجید کے ساتھ نہیں لکھا گیا۔ امام کے "وَلَا الضَّآلِّيْنَ" کہنے پر امام اور مقتدی دونوں کو آمین کہنا چاہیے۔ مقتدی کو امام کی آمین کے ساتھ آمین کہنا چاہیے۔ اس کے متعلق چند احادیث درج کی جاتی ہیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ جس کا (آمین) کہنا فرشتوں کے کہنے کے موافق ہو گیا، اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔" [بخاری، الأذان، باب جهر المأموم بالتأمين : ۷۸۲] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہو گیا، اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔" [بخاری، الأذان، باب جهر الإمام بالتأمين : ۷۸۰۔ مسلم : ٤۱۰]

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب امام "وَلَا الضَّآلِّيْنَ" کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمھاری دعا قبول کر لے گا۔" [مسلم، الصلاة، باب التشهد في الصلاة : ٤۰٤] وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے بلند آواز سے آمین کہی اور دائیں اور بائیں سلام پھیرا، یہاں تک کہ میں نے آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھ لی۔ [أبو داؤد، الصلوة، باب التأمين وراء الإمام : ۹۳٤، وقال الألباني حسن صحيح]

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب "وَلَا الضَّآلِّيْنَ" پڑھتے تو "آمین" کہتے اور اس کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتے۔ [أبو داوٗد، باب التأمين وراء الإمام : ۹۳۳، وقال الألباني صحيح]

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ نبی ﷺ نے ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ پڑھا اور اس کے ساتھ اپنی آواز کو لمبا کیا۔ [ترمذی، الصلاة، باب ما جاء في التأمين : ۲٤۸، وقال الألباني صحيح] عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہودیوں نے تم پر کسی چیز میں وہ حسد نہیں کیا جو انھوں نے آمین کہنے اور سلام میں تم پر حسد کیا ہے۔" [ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب الجهر بآمين : ۸٥٦۔ مسند أحمد : ٦/۱۳٤، ۱۳٥، ح : ۲٥۰۸۲، و قال الألباني صحيح]